صوابی کے

چار یار

شیخ القرآن آف شاہ منصور

شیخ القرآن آف پنج پیر

شیخ القرآن والحدیث مولانا گوہر رحمٰن صاحب

شیخ القرآن والحدیث والفقہ مولانا حمداللہ جان داجوی صاحب

ہدیہ 20 روپے

پروفیسر مولانا حمداللہ قریشی

دارالعلوم تعلیم القرآن محلہ کریم داد خیل یار حسین، صوابی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صوابی کے چار یار

پروفیسر مولانا حمد اللہ قریشی

دارالعلوم تعلیم القرآن محلہ کریم داد خیل

یار حسین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

مقدمہ

تاریخ اِسلام گواہ ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو دُشمنانِ اِسلام اتنا نقصان نہیں پہنچا سکے ہیں جتنا خود اُن کے افتراق و انتشار سے اس کو پہنچا ہے۔ دشمنانِ اِسلام اس نکتہ کو خوب سمجھتے ہیں اور انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے یہی نسخہ آزمایا ہے دُنیا بھر کے مسلمانوں کا ایک خُدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب ہے، چاہیئے تو یہ تھا کہ مسلمان بھی ایک ہوتے، اُن کا ایک امیر ہوتا اور ایک مرکز۔ لیکن بدقسمتی سے مسلمان تقسیم در تقسیم ہو گئے ہیں جس سے دُشمنانِ اِسلام فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ذہنی اِفتراق و انتشار کی ایک وجہ علماءِ اسلام کا باہمی مذہبی اختلافات میں تشدد کی راہ کا چناؤ ہے۔ جہاں تک اختلافات رائے کا تعلّق ہے وہ ایک فطری چیز ہے جو مُضر نہیں اپنی رائے کو دلائل کی بنیاد پر صحیح ثابت کرنے کی کوشش بھی ایک علمی طریقہ ہے۔ لیکن جب ایک شخص کی ایک رائے بنتی ہے۔ اِس کی بنیاد پر وہ خود کو برسرِ حق اور اس کی رائے سے اختلافات رکھنے والوں کو برسرِ باطل سمجھنے لگتا ہے اور پھر آگے بڑھ کر جنگ و جدل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بنائی جاتی ہیں اور ایک ہی کلمہ پڑھنے والے ایک دوسرے کے مدّمقابل ہو کر سامنے آتے ہیں تو یہ روش اِسلامی اجتماعیت کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب ان اختلافات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو بسا اوقات یہ محض لفظوں کا اختلاف ہوتا

ہے۔ زیر نظر کتاب میں علاقائی علماء کرام کے اختلافات کا جائزہ لیا گیا ہے نمونہ کے طور پر ہم نے چار علماء کا تذکرہ کیا ہے جن کے نام یہ ہیں۔ (۱) حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصور بابا جی صاحب۔ (۲) حضرت مولانا محمد طاہر صاحب آف پنج پیر (۳) حضرت مولانا گوہر رحمٰن صاحب آف یار حسین (۴) حضرت مولانا حمداللہ جان آف ڈاگئی یار حسین۔

گو مولانا گوہر رحمٰن صاحب کا تعلق ایسی جماعت سے ہے جو اتحاد بین المسلمین کی داعی ہے اور جو فرقہ پرستی سے کوسوں دور ہے لیکن اِس موقعہ پر ان کا ذکر ہم نے اِس لئے کیا ہے کہ قارئین یہ بات سمجھ لیں کہ فرقہ وارانہ تعصب سے بالاتر ہو کر اِسلام کی خدمت کس طرح کی جا سکتی ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ یہ چاروں علماء اور ان جیسے دوسرے علماء سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، یہ سارے ایک ہی منزل کی طرف جانے والے راستوں کے راہرو ہیں اور یہ سارے آسمانِ علم کے درخشندہ ستارے ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ اِن چاروں حضرات کو اپنی اصل صورتوں میں پیش کریں تاکہ ان کے مخالفین ان کو ایرا غیرا نہ سمجھیں اور ان کے عقیدتمند اُن کو معصوم سمجھ کر شرک میں مبتلاء نہ ہوں۔ ہم نے اُن کی اختلافی آراء کو تفردات کا نام دیا ہے اور اگر ضروری سمجھا ہے تو ان پر بھرپور تنقید بھی کی ہے لیکن حتی المقدور طنز اور طعن و تشنیع سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ حضرت شیخ القرآن آف پنج پیر کے حوالے سے اُن کے اُستاد حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور ان کے تفردات کا ذکر بھی ہم نے کیا ہے اور گو اُن کے بعض خیالات قرآن و سنت کے نصوص سے متصادم ہیں جیسا کہ آپ آئندہ صفحات میں پڑھیں گے لیکن ان کی نیت اور اخلاص پر شبہ نہیں کیا جا سکتا دراصل ایسا انہوں نے نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مطمئن کرنے کے لئے کیا ہے۔ اِسی طور پر مولانا گوہر رحمٰن صاحب کے حوالہ سے اُن کے قائد اور مرشد حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا ذکر بھی اِس کتاب میں آیا ہے جس میں ہم نے مولانا مودودیؒ کے ساتھ ان کے علمی اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب گو علاقائی صورتِ حال کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے لیکن اِن شاءاللہ یہ ہر پاکستانی کی ہدایت کا سبب بنے گی۔

باب اوّل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت شیخ القرآن آف شاہ منصور

وِلادت وابتدائی تعلیم

حضرت شیخ القرآن مولانا عبدالہادی صاحب موضع شاہ منصور صوابی میں ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۳ء میں مولانا عبداللہ صاحب کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد ابتدائی کتابیں پڑھنے کے لئے مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ فنون کی کتابوں میں مہارت حاصل کرنے کے بعد آپ غورغشتی تشریف لے گئے اور مولانا نصیرالدین صاحب کے درس حدیث میں شرکت کی۔ آپ یہاں دو سال تک مولاناؒ سے استفادہ کرتے رہے۔ بعد ازاں آپ دورۂ تفسیر کے لئے مولانا حسین علیؒ صاحب کے پاس واں بھچراں چلے گئے اور تفسیر قرآن کے مکمل ضبط تک اپنے شیخ کے پاس رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میں تفسیر قرآن پڑھانے کا قابل ہُوا تب وہاں سے گاؤں واپس آیا۔

دارالعلوم تعلیم القرآن

دورۂ تفسیر و حدیث سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے گاؤں کی جامع مسجد میں ۱۹۲۷ء میں مدرسہ تعلیم القرآن کی بنیاد ڈالی۔ یہاں آپ ایک سال مکمل دورۂ حدیث پڑھاتے اور ایک سال

موقوف علیہ ۔ اِس کے ساتھ روزانہ ترجمہ و تفسیر قرآن بھی پڑھاتے تھے۔ ۱۵ شعبان سے ۲۴ رمضان المبارک تک پوری تفسیر قرآن پڑھانے کا اہتمام کیا کرتے تھے ۔

درسِ قرآن و حدیث کی بنیاد رکھنے کا کریڈٹ

قارئین اِس امر سے واقف ہونگے کہ صوبہ سرحد میں عموماً اور علاقہ صوابی میں خصوصاً درسِ قرآن وحدیث کے اہتمام کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی جس کی وجہ سے شرک و بدعات کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے حضرت شیخ القرآن آف شاہ منصور پہلا شخص ہیں جنہوں نے جرأتمندانہ قدم اُٹھاکر اپنے شیخ مولانا حسین علیؒ کے منہج پر تفسیر قرآن سکھانے کی ابتداء کی اور دوسروں کے لئے راہ ہموار کی۔ اِسی طور پر صوابی میں دورۂ حدیث کی بنیاد بھی آپ ہی نے رکھ دی۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اِس کا بیڑہ سب سے پہلے شیخ القرآن آف پنج پیر نے اُٹھایا لیکن وہ نہیں جانتے کہ جب آپ مدرسہ تعلیم القرآن کی بُنیاد رکھ رہے تھے اس وقت شیخ القرآن صاحب آف پنج پیر بمشکل سنِ بلوغت تک پہنچے تھے ۔مدرسہ کا ایک سال پورا ہونے کے بعد شیخ القرآن صاحب آف پنج پیر نے مکھڈ کے ایک اِسلامی مدرسہ میں داخلہ لیا تھا۔ مولانا نورالہادی شاہ منصوری کی روایت ہے کہ شیخ القرآن آف پنج پیر نے مختصر المعانی اور قطبی میں حضرت شیخ شاہ منصورؒ سے درس لیا تھا۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو قرینِ قیاس یہ ہے کہ مولانا حسین علیؒ کے درس میں شرکت کا مشورہ آپ ہی نے دیا ہوگا۔

جلال و جمال کا حسین امتزاج

فطری طور پر آپ بڑے منکسر المزاج خاکسار اور ملنسار تھے۔ غریب لوگوں، خصوصاً طلباء کے ساتھ خوش رہتے —

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کا ذکر کرتے تو آنسو ضبط نہ کر سکتے تھے۔ کبھی کبھی درس کے دوران خود بھی روتے اور دوسروں کو بھی رُلاتے لیکن بعض مواقع پر آپ پر جلالی کیفیّت طاری ہو جاتی تو نتائج سے بے پرواہ ہو کر بات کرتے علماء کے ساتھ اِختلاف کی بات بھی کرتے اور کبھی کبھی طلباء کو ڈانٹ بھی پلاتے لیکن کیا مجال کہ کوئی اِیرا غیرا علماء یا طلباء کے خِلاف اُن کے سامنے زبان کھولے حضرت مولانا مختار گل صاحب یار حسینی کا بیان ہے کہ یار حسین میں میلاد النبیؐ کی تقریب میں آپ شریک تھے۔ آپ سے پہلے مردان کے ایک مولوی نے مولانا مودودیؒ کے خلاف زور دار تقریر کی اور گالیاں تک دیں۔ مجھے بڑا غصہ آیا اور اس کی مرمّت کرنے کیلئے اُٹھا، میرا ساتھی محمد قریش لنگر خیل بھی میرا ساتھ ہو لیا اور ہم دونوں سٹیج پر چڑھ کر بیٹھ گئے اِس کے بعد بابا جی صاحب تقریر کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے تو مقرر کو آڑے ہاتھوں لیا۔ آپ پر جلالی کیفیّت طاری ہو گئی اور غُصّہ بھری آواز میں کہا بعض لوگ میری بھی مخالفت کیا کرتے تھے لیکن بعد میں بیویوں سمیت معافی کے لئے آئے۔ یہ لوگ بھی بیویوں سمیت مولانا مودودیؒ سے معافی مانگنے جائیں گے یہ سن کر ہم خوش ہوئے اور اپنے ارادہ سے باز آئے۔ اِسی طرح ایک دفعہ نسوار کے حوالہ سے طلباء کی نسوار خوری کی مذمت کر رہے تھے۔ ایک حاجی صاحب نے بھی بحث میں حصہ لیا اور طلباء کے حق میں کچھ سخت الفاظ کہے بس پھر کیا تھا آپ آپے سے باہر ہو گئے کہا حاجی صاحب تم کون ہو جوان کے خلاف بولتے ہو۔ یہ طلباء تو میرے بچے ہیں، میں تو باپ کی حیثیت سے اُن کو ڈانٹ پلاتا ہوں۔

اعتدال کی راہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں جس وقت آپ نے دار العلوم

کی بنیاد رکھ لی اس وقت توحید وسُنت سے ناواقفیت کی وجہ سے لوگ شرک اور بدعات میں مُبتلاء تھے ۔ لوگ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور پیر بابا علیہ الرحمتہ کو کارساز اور حاجت روا سمجھنے لگے تھے چنانچہ اُن سے دعائیں مانگی جاتی تھیں اور ان کے نام پر نذریں چڑھائی جاتی تھیں ۔ شیخ القرآن صاحب نے پہلی بار مدلّل انداز میں اس کے خلاف آواز اُٹھائی ۔ چنانچہ مقدمہ القرآن میں رقمطراز ہیں ۔

"مثلاً کسی شخص کو تکلیف پہنچے اور وہ کہے اے عبدالقادر جیلانیؒ ، اے پیر بابا مدد کر تو یہ بالکل ناجائز ہے ۔ اسی طرح نذر عبادت ہے ، اللہ کے نام پر ہو تو صحیح ہے لیکن پیر بابا کے نام پر ہو تو ناجائز ہے ۔ اگر تو نے بابا کی قبر پر پیسے رکھ دیئے تو یہ بابا کی مالی عبادت ہے جو ناجائز ہے (ص ۸ - ۹) شرک کے خلاف آواز اُٹھانے اور توحید کا بول بالا کرنے میں تو آپ نے بڑی تندہی سے کام لیا لیکن اِس سے متعلق دوسرے مسائل میں وہی راہِ اعتدال اختیار کی جو ہمارے اَسلاف اور خصوصاً مولانا حسین علیؒ اور مولانا غورغشتویؒ نے اختیار کی تھی ۔ مثلاً آپ سماعِ موتی کے حق میں نہ تھے ۔ درس کے دوران اپنے مواقع پر اِس مسئلہ پر مدلّل انداز میں بحث کرتے اور اپنے خیالات کا برملا اظہار فرماتے لیکن ساتھ ساتھ طلباء کو یہ بھی بتا دیتے تھے کہ یہ مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے آج تک مختلفٌ فیہ آرہا ہے ۔ اِس لئے اس کے قائلین پر سَبّ وشتم جائز نہیں ہے ۔

آپ کے اَساتذہ اور شیوخ آپ کے اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں سے فی الحال ہم اُن دو حضرات کا ذکر کرتے ہیں جن سے آپ نے قرآن وحدیث کا درس لیا

شیخ التفسیر مولانا حسین علیؒ حضرت مولانا حسین علیؒ ۱۲۸۳ھ کو ضلع میانوالی کے قصبہ واں بچھراں میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائی صرف ونحو اور فارسی نظم

کی کتابیں اپنے والد حافظ میاں محمد سے پڑھیں ۲۰۳۱ھ میں ہند چلے گئے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث اور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ سے تفسیر پڑھی۔ ۱۳۰۴ھ میں مولانا احمد حسن صاحب کانپوری سے منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔ ۲۱ سال کی عمر میں خواجہ محمد عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی اور تصوف میں کمال حاصل کیا یہ کمال آپ نے اشاعت توحید کیلئے استعمال کیا۔ آپ نے علاقہ کے گدی نشینوں کے خلاف جو اعتقادی شرک میں مبتلا ہو چکے تھے آواز اُٹھائی، اور قرآنی دلائل کے اسلحہ کیساتھ ان سے جنگ لڑی۔ ساٹھ برس تک آپ نے قرآنی تعلیمات کے ذریعے ہزاروں دلوں کو نور توحید سے منور کیا۔

اختلافی مسائل میں اعتدال پسندی

آپ فنا فی التوحید تھے اور شرکیہ اقوال و افعال سے سخت متنفر تھے۔ کسی کا شرک کی طرف تھوڑا سا میلان بھی آپ کے لئے ناقابل برداشت ہوتا۔ آپ ڈنکے کی چوٹ گدی نشین پیروں کے فاسد اعتقادات کی مذمت کرتا اور لومۃ لائم کی پرواہ کئے بغیر شہادتِ حق کا فریضہ سرانجام دیتا لیکن یہ شدت صرف مسئلہ توحید کے بیان میں ہوتی تھی۔ رہے دوسرے اختلافی مسائل تو اُن میں اُسکی ایک رائے ہوتی تھی اُس رائے پر سختی سے کاربند رہتے اور اس کے لئے قرآن و سنت سے دلائل فراہم کرتے لیکن ایسے مسائل کو مدارِ کفر و ایمان نہ بناتے۔ مثلاً سماع موتیٰ کے مسئلہ میں آپ کی رائے عدم سماع کی طرف ہے لیکن اِس پر بحث کرتے ہوئے آپ نے اپنی کتاب " تحریراتِ حدیث " میں جمہور کا مسلک بھی یوں بیان کیا ہے " اور ہم اِس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ میت پہچانتا ہے جو اس کی زیارت کے لئے جاتا ہے اور یہ بات بروزِ جمعہ طلوع فجر کے بعد اور سورج نکلنے سے

پہلے زیادہ نمایاں ہوتی ہے (ماخوذ از مقدمہ تحفہ ابراہیمیہ ص ۵)۔ توسّل کے بارے میں آپ کا عقیدہ تھا کہ ایمان اور اطاعت کیساتھ وسیلہ پکڑنا ایمان کی بنیاد ہے لیکن ذواتِ فاضلہ کے ساتھ توسّل کے بارے میں جو بہت ساری روایات ہیں اُن کو ضد اور تعصّب کے بھینٹ چڑھا کر رد نہیں کیا ہے بلکہ توسّل کا اصل مفہوم سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ لکھتے ہیں " وسیلہ پکڑنا ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیچ دعا کے، بعد از وفات بعض صحابہؓ اور تابعینؒ اور امام احمدؒ وغیرہ سے منقول ہے اس کا معنی ہے " میں تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور محبت کے طفیل سوال کرتا ہوں۔ یہ مفہوم ذہن نشین ہونے کے بعد دوسرے مشائخ کیساتھ توسّل کا عقدہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ مثلاً اپنے شیخ حضرت خواجہ محمد عثمانؒ کے ایک قول کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں " ہمارے مرشد نے فرمایا ہے کہ ہر فرض نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے بواسطہ حضرات مشائخ دعا مانگے (مقدمہ تحفہ ابراہیمیہ ص ۶۷) پس یہاں بھی مفہوم یہ ہے کہ اے خدا اپنے مشائخ کیساتھ میری جو محبت ہے اس کے طفیل تجھ سے دعا مانگتا ہوں۔

شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتیؒ

آپ ۱۲۹۵ھ میں مولانا بہاء الدین کے گھر غور غشتی میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا شہاب الدین سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے، چکڑالہ ضلع میانوالی تشریف لے گئے وہاں علامہ قمر الدین صاحبؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند الفراغ حاصل کی۔ بعد میں دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے ترمذی شریف اور چند دوسری کتابیں پڑھیں۔ آپ مولانا حسین علیؒ کے صرف کتابوں کی حد تک شاگرد نہ تھے بلکہ بیعت و سلوک میں بھی آپ ان کا خلیفہ مجاز تھے۔ آپ سالہا سال تک صحاحِ ستہ کی اہم کتابوں کی تعلیم دیتے رہے: مشکوٰۃ المصابیح

جلالین اور ہدایہ بھی پڑھاتے تھے مشکوٰۃ المصابیح پر آپ کا حاشیہ طبع ہو چکا ہے۔ ۲۳ جنوری ۱۹۶۹ء کو بروز جمعرات آنجناب اِس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

شیخ القرآن صاحب کے تفرّدات

شیخ القرآن حضرت مولانا عبدالہادی تفسیر بالماثور کے قائل تھے۔ آپ جمہور مفسّرین کی رائے کو ترجیح دیتے تھے تاہم تفسیر میں آپ کے تفردات بھی ہیں جنکے ساتھ اتفاق و اِختلاف دونوں کی گنجائش موجود ہے۔ تفرد کسی مفسّر، محدّث یا فقیہہ کی ذاتی تحقیق پر مبنی رائے ہوتا ہے۔ تنگ نظر لوگ اِس قسم کی آراء پر سیخ پا ہو جاتے ہیں اور فتویٰ بازی کا بازار گرم کر دیتے ہیں لیکن علماءِ حق ان آراء کے ساتھ اِختلاف رکھ کر بھی حد سے تجاوز نہیں کرتے۔ حضرت شیخ القرآن آد ،شاہ منصور کے تفرّدات میں سے ہم فی الحال صرف ایک تفرّد کا ذکر کرتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل کی گائے کا قصہ بیان ہُوا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ بنی اِسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ گائے کے ایک عضو سے مقتول کا کوئی عضو مارے تو مقتول زندہ ہو جائے گا۔ حضرت شیخ القرآن کے نزدیک فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا کا مطلب میّت کو اس گائے کے خُون کا انجکشن لگانا تھا۔ فرماتے ہیں "جمہُور مفسّرین جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اس بقرہ کی زبان یا کسی اور عضو سے مارا گیا تو یہ مرجوح ہے کیونکہ یہاں مقصود صرف مقتول کا احیاء نہ تھا بلکہ احیاء مقتول کے ساتھ احیاء کے قانون، طریقہ کی تعلیم بھی مقصود تھا جو کہ خون کا انجکشن کرانا ہے۔ دورِ حاضر میں بھی خونی انجکشن سے یہ مقصد حاصل کیا جا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کے تفردات کے ساتھ اتفاق نہیں کیا جا سکتا تاہم اس سے موصوف کے تحقیقی ذہن کا انداز معلوم ہو جاتا ہے۔

باب دوم

شیخ القرآن آف پنج پیر

ولادت و ابتدائی تعلیم

حضرت شیخ القرآن مولانا محمد طاہر صاحب ۱۳۳۵ھ بمطابق ۱۹۱۳ء صوابی کے پنج پیر نامی گاؤں میں غلام نبی کے گھر پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں گاؤں کے پرائمری سکول میں داخل کرائے گئے۔ چوتھی جماعت کے امتحان میں اعلیٰ پوزیشن حاصل کی۔ دین پسند والد کی خواہش تھی کہ بچے کی صلاحیت و قابلیت دین کے کام آجائیں چنانچہ سکول سے واپس بلا کر گاؤں کے ایک مُلّا کے سامنے بٹھایا گیا۔ یہ مُلّا صرف، نحو اور فقہ کا ماہر تھا اس نے اپنے شاگرد کو شوق سے پڑھایا اور اس کی چھپی ہوئی صلاحیتوں کو اُجاگر کیا۔ تاہم اس عظیم محسن کا نام نہ مولانا نے خود لیا ہے، نہ ان کے شاگردوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہ نام ابھی تک منظر عام پر نہیں آسکا ہے۔

جہاد ملاکنڈ کی مبہم روایت

مولانا خان بادشاہ نے اپنی کتاب "تسکین الخاطر" میں لکھا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں جب حاجی آف ترنگزئی نے انگریزوں کے خلاف جہاد شروع

کیا تو محمد طاہر صاحب براستہ ملاکنڈ جانے کیلئے تیار ہو گیا[1]۔ یہ روایت غلط بیانی پر مبنی ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ حاجی صاحب نے انگریزوں کے خلاف پہلی جنگ ملاکنڈ ایجنسی میں پیر کلے۔ بٹ خیلہ اور چکدرہ میں لڑی لیکن ۱۹۲۸ء میں نہیں بلکہ مولانا کی پیدائش سے سولہ سال پہلے ۱۸۹۷ء میں۔ ۱۹۲۸ء میں حاجی صاحب کچھ عرصہ تک افغانستان میں رہے اور کچھ عرصہ مہمند ایجنسی میں۔ اِس سال صافی قبیلہ کے زعماء کیساتھ معمولی اَن بَن کے علاوہ کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا[2]۔ حاجی صاحب کی جہادی زندگی میں ۱۹۲۸ء امن کا سال کہا جاتا ہے۔

مولانا حسین علیؒ کی شاگردی

ماہِ شعبان ۱۳۵۱ھ میں آپ میانوالی تشریف لے گئے اور مولانا حسین علیؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مولانا خان بادشاہ کے بیان کے مُطابق مولانا حسین علیؒ نے آپکو دورۂ حدیث کے لئے غورغشتی بھیجا جہاں آپ نے ایک سال گزارا۔ پھر اُصول فِقہ اور رِیاضی پڑھنے کیلئے "انہی" بھیج دیا جہاں[3] ایک سال گزارا۔ پھر اپنے قول کے مُطابق آپ ۱۳۵۳ھ دیوبند چلے گئے[4]۔ اگر مذکورہ بالا دونوں بیانات صحیح ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد طاہر صاحب نے مولانا حسین علیؒ کے پاس چند دن گزارے ہونگے لیکن خود اُن کا بیان ہے کہ انہوں نے انکے پاس چند سال گزارے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خان بادشاہ نے تحقیق کئے بغیر بات لکھ دی ہے۔

۱۔ ص ۱۱۔
۲۔ حاجی صاحب ترنگزی۔ مصنفہ عزیز جاوید ص ۔۴۴۔
۳۔ تسکین الخاطر ص ۔۱۴۔
۴۔ محمد طاہر۔ نیل السائرین ص ۳۶۷۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے تعلق ۱۳۵۶ھ میں آپ مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے تفسیر قرآن۔شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی کتاب عقبات اور شاہ ولی اللہؒ کی چند کتابیں پڑھیں۔چند ماہ گزارنے کے بعد ۱۳۵۷ھ میں واپس وطن آئے۔⁽⁵⁾

درسِ قرآن کا آغاز وطن واپسی پر آپ نے اپنے گاؤں پنج پیر میں درس قرآن کا آغاز کر دیا جس کا افتتاح مولانا حسین علیؒ نے کیا⁽⁶⁾ لیکن یہ امر مشتبہ ہے کہ یہ کس سنہ کو ہوا شیخ الحدیث حضرت مولانا غور غشتیؒ کے نام ایک مکتوب میں مولانا موصوف رقمطراز ہیں کہ مولانا حسین علیؒ ۱۳۵۶ھ میں پنج پیر تشریف لائے تھے⁽⁷⁾۔لیکن دوسری کتاب میں ان کا بیان ہے کہ وہ ۱۳۵۷ھ میں وطن واپس آئے⁽⁸⁾۔مولانا خان بادشاہ کی روایت کے مطابق بھی ۱۳۵۶ھ میں سال کے آخر تک آپ سعودی عرب میں رہے⁽⁹⁾۔تاہم نفسِ واقعہ کی صحت مشتبہ نہیں ہے۔

علماء حق کا کردار جن حالات میں آپ نے درس قرآن کا آغاز کر دیا اُن حالات میں علماء حق نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا تھا جو بڑا کٹھن تھا اور کانٹوں سے اَٹا پڑا تھا شرک و بدعت کے اندھیروں اور غیر اسلامی رسم و رواج کی قباحتوں نے علماء حق کو اچھا خاصا پریشان کر رکھا تھا تاہم اِس بات پر اُنکو شرحِ صدر حاصل تھا کہ اِن تمام برائیوں کی اصل وجہ انگریزوں کی حکومت ہے۔خود شیخ القرآن آف پنج پیر بھی اِس حقیقت کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے رقمطراز ہیں "جب ہمارے زمانہ میں بلاد ہند میں اسلامی سلطنت باقی نہ رہی تو

(۵) ایضاً (۶) ایضاً
(۷) محمد طاہر۔"الانتصار"۔ص ۶
(۸) نیل السائرین۔ص ۳۶۷۔
(۹) تسکین الخاطر ص ۱۵۔۱۶۔

فتنے عام ہو گئے اور اللہ کے بندے امتحانات میں پڑ گئے۔ چنانچہ سرحد کے چیدہ چیدہ علماء نے اپنی ساری قوتیں اور صلاحیتیں انگریزی حکومت کے خاتمہ کیلئے وقف کر رکھی تھیں۔ حاجی صاحب کی قیادت میں علماء و صلحاء کی ایک بڑی تعداد نے انگریزی حکومت کے خلاف عملاً جہاد اور قتال شروع کیا تھا۔ مولانا فضل ربی سواتی نے کئی محاذوں پر انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے پشاور کے قریب متھرا نامی گاؤں کے عالم دین مولانا سیف الرحمٰن نے سرفروشی کی نئی داستان رقم کی۔ باجوڑ کے مذہبی رہنما بابڑہ ملا صاحب نے سینکڑوں انگریزی فوجیوں اور کئی افسروں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا شیخ الاسلام علی احمد آف سنڈا کے چکیسر نے ہر محاذ پر بہادری کے جوہر دکھائے حافظ مولانا ایوب خان آف طورو، محمد اسحاق ملا صاحب آف مانسہرہ۔ مولانا عبدالحمید آف براوُول باجوڑ، مولانا فضل محمود عرف کوکا ملا صاحب ساکن مانیری پایاں صوابی۔ مولوی عبدالصمد ساکن منگا درگئی، کوہستانی ملا صاحب ساکن منگا درگئی۔ مولانا عبدالمالک ساکن ساگی۔ مولانا گل حسن آف بفہ۔ مولانا محمد ادریس آف بانڈہ ملاجان۔ قاضی صاحب آف کرڈوی زیارت کاکا صاحب کے مولوی میراجان اور اتمانزئی کے مولوی عبدالعزیز صاحب کے علاوہ کئی دوسرے ممتاز علماء دین جہاد میں مصروف تھے[11]۔ محقق عزیز جاوید نے صرف مہمند قبیلہ کے چھبیس علماء کے اسمائے گرامی کی فہرست دی ہے جنہوں نے انگریزوں کے خلاف قتال میں حصہ لیا تھا[12]۔

اصلاح معاشرہ کا اقدام جہاد و قتال میں مصروفیت کے باوجود یہ علماء حق اصلاح معاشرہ کی اہمیت سے بے خبر نہ تھے چنانچہ بدعات و رسومات کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لئے انہوں نے ٹھوس بنیادوں پر منصوبہ بندی کی۔ سب سے پہلا اور اہم کام یہ کیا کہ سارے صوبہ سرحد میں اسلامی مدارس کا جال پھیلا دیا اور بقول

(۱۰) ضیاء النور ص ۱۷۷۔ (۱۱) حاجی صاحب ترنگزئی ۔ ص ۴۹۹ تا ۵۰۸
(۱۲) ایضاً ص ۹۶ تا ۹۷۔

عبدالغفار بادشاہ تین سو ستر مدارس کی بنیاد رکھی[۱۳]۔ اسلامی مدارس کا قیام جنکی سرپرستی مجاہدین کر رہے تھے انگریزی حکومت کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ بہت جلد یہ مدارس سربمہر کر دیئے گئے اور اساتذہ کو جیل بھجوا دیا گیا جیل میں ان پر زبردست تشدد کیا گیا اور جائیدادیں ضبط کرلی گئیں۔ صوابی سکول کے فضل الرحمن ولد احمد جی اخونزادہ ساکن کالو خان، غلام مرتضیٰ ولد ملا حسین ساکن کالو خان محمد یوسف ولد ملا عثمان کالو خان، متھرا پشاور کے مولوی محمد رفیق، کوٹ دولت زئی کے قاضی رحیم اللہ اور ان جیسے دوسرے حریت پسند اساتذہ کو بے پناہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا[۱۴]۔

شیخ القرآن آف پنج پیر کی حکمت عملی جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں شیخ القرآن صاحب فتنہ ہلائے شرک و بدعت کی اصل جڑ انگریزی حکومت کو قرار دینے کا قائل تھے لیکن انہیں معلوم تھا کہ اگر وہ جہاد میں حصہ لے یا حاجی صاحب کے منہج پر مدرسہ قایم کرے تو انگریز اُن کو کام کرنے نہیں دیگا چنانچہ انہوں نے درس قرآن کا آغاز کرنیکے بعد ہر مرحلہ پر پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ اس احتیاط کیطرف انکے فرزند ارجمند مولانا محمد طیب نے یوں اشارہ کیا ہے کہ ساری زندگی میں انگریزی مفادات کے خلاف انہوں نے صرف ایک مناظرہ کیا ہے اور وہ بھی انتہائی رازداری کے ساتھ چنانچہ انگریزوں سمیت کسی کو پتہ نہ لگ سکا تھا کہ مناظر کون تھے[۱۵]؟ رازداری کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں" اگر انگریزوں کو پتہ لگ جاتا تو وہ پنج پیر گاؤں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا[۱۶]" ہم اس بحث کو لاحاصل سمجھتے ہیں کہ کیا واقعی انگریز ایک چھوٹا سا مناظرہ کو بنیاد بنا کر سارے گاؤں کو تاخت و تاراج کر دیتا آخر صوبہ سرحد کا کونسا گاؤں ہے جہاں کوئی حریت پسند موجود نہ تھا۔ ترنگزئی اور اتمانزئی

(۱۳) ایضاً ص ۶۴
(۱۴) ایضاً ص ۱۵۱ تا ۱۵۴۔
(۱۵) ازالۃ الاوہام ۔ص ۱۳
(۱۶) ایضاً

توحریت پسندوں کے گڑھ تھے پھر کِس کا اینٹ سے اینٹ بجا دیا گیا۔ مبنی بر حقیقت بات صرف اتنی ہے کہ اگر یہ راز افشاء ہو جاتا تو مولانا جیل میں بند کیا جاتا اور درسِ قرآن کا سلسلہ منقطع ہو جاتا جبکہ یہ اِنقطاع ان کے نزدیک بڑا نقصان دہ تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی انہوں نے تحفظِ ختمِ نبوت سمیت کسی ایسی تحریک میں حصہ نہیں لیا جس میں جیل جانا پڑے۔ اِسکی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ جیل سے ڈرنے والے تھے۔ جیل سے باہر اُن کی زندگی زیادہ پر مصیبت تھی لیکن وہ صرف اِس بات سے ڈرتے تھے کہ درس کا سلسلہ منقطع نہ ہو جائے — صدر ایوب خان کے غیر اسلامی اقدامات کے خلاف جب تحریک اٹھی تو میں نے آپ سے تحریک میں شامل نہ ہونے پر لوگوں کے اعتراض کا ذکر کیا آپ نے فرمایا مبتدعین کی آرزو ہے کہ توحید وسنت کی اشاعت کا جو کام ہم نے شروع کیا ہے وہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے پائے۔ آپ کی یہ حکمت عملی کامیاب ثابت ہوئی اور یوں آپ نے توحید وسنت کا پیغام گھر گھر تک پہنچا دیا۔

شیخ القرآن کی تحریک کے مثبت اور منفی اثرات

حضرت شیخ القرآن نے قرآن کریم کے ذریعے توحید وسنت کی اشاعت کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب یہاں گدی نشینوں کی حکومت تھی۔ قبر پرستی کا مرض عام تھا۔ لوگ قبروں کا طواف کر کے اہلِ قبور سے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ پیر بابا علیہ الرحمۃ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رح کو مشکل کُشا تصور کیا جاتا تھا اور مصائب میں انکو پکارا جاتا تھا۔ اولیاء اللہ کے مزاروں پر میلہ لگتا اور مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی اسمیں شریک ہوتیں۔ قرآنی علوم کی طرف توجہ نہیں دی جاتی تھی اور سارا زور منطق وفلسفہ کی کتابوں پر صرف کیا جاتا۔ شیخ القرآن صاحب کی خوش قسمتی تھی کہ آپ سے پہلے مولانا عبدالہادی شاہ منصوری رح نے علاقہ کے لوگوں کو قرآنی تعلیم اور توحید کی حقیقت سے آگاہ کرنے کے لئے جراٗتمندانہ قدم اُٹھایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب

آپ نے درس قرآن کا آغاز کردیا تو توقع سے کم مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ مولانا نصیرالدین غورغشتیؒ اور مولانا عبدالہادی شاہ منصور آپکے پُرجوش حامی اور مؤیّد تھے۔ دوسرے عام علماء بھی توحید کے مسئلہ میں آپکے ہمنوا تھے یا کم از کم مخالف نہیں تھے۔ جہادی اور حُرّیت پسند علماء تو آپکو اپنا آدمی سمجھتے تھے البتہ جاہل گدی نشینوں اور مزاروں کے مجاوروں نے آپکی بھرپور مخالفت کی اور آپ کی راہ میں روڑے اٹکانے لگے۔ تاہم آپ کی بے پناہ قربانیوں کے نتیجہ میں جاہلوں کا زور کم ہوتا رہا اور عام لوگوں میں شعور بڑھتا رہا۔ جاہل گدی نشینوں اور مجاوروں کے اثرات کم ہونا شروع ہوگئے اور لوگ شرک اور اسکی قباحتوں کو سمجھنے لگے۔ یہ تحریک تیزی کیساتھ پھیل رہی تھی اور اسکے مثبت اثرات مرتب ہونا شروع ہوگئے تھے۔ لیکن اس مرحلہ پر حضرت شیخ آف پنج پیر نے ایسے اختلافی مسائل چھیڑنا شروع کردیا جن کا توحید کے مسئلہ کیساتھ کچھ زیادہ تعلق نہ تھا مثلاً مردہ سنتا ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے مختلف فیہ آرہا ہے۔ جو صحابہ کرامؓ سماعِ موتیٰ کے قائل ہیں کیا ان کو مؤحدین کی لسٹ سے خارج کیا جاسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایک شخص سماع موتیٰ کا قائل ہوکر بھی توحید کے تقاضوں پر عمل کرکے مؤحد رہ سکتا ہے پھر اس کو مدارِ کفر و ایمان بناکر بیان کرنا کہاں کی دانشمندی تھی توسل کے مسئلہ میں بھی آپ نے اپنے اساتذہ مولانا حسین علیؒ اور مولانا نصیرالدین غورغشتیؒ کے طرزِ تبلیغ سے انحراف کیا۔ مولانا حسین علیؒ مردہ صالح سے توسّل کا انکار نہیں کرتے بلکہ اس کی ایسی تاویل کرتا ہے جس سے اس مسئلہ میں اتفاق کی گنجائش پیدا ہوجاتی ہے لیکن آپ نے مطلق توسّل بذوات فاضلہ سے انکار کرکے اپنے موحدین کو بھی ناراض کردیا۔ بعض لوگوں کی شکایت تھی کہ آپ اولیاء اللہ کی تعظیم نہیں کرتے۔ بلاشبہ یہ بات مخالفین بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے اور اب تک پیش کرتے رہے ہیں لیکن اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت بھی تھی مثلاً منصور حلاجؒ کو گمراہ اور خبیث

کہا کرتے تھے بلکہ جو لوگ ان کے اقوال کو سُکر کے حال پر محمول کرتے ہیں ان کو ملحد سمجھتے تھے۔
یاد رہے کہ ان کے اقوال کو سُکر کے حال پر محمول کرنے والوں میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بھی شامل ہیں۔ خود مولانا حسین علیؒ منصور حلاجؒ کے قول کو حکایت سے تعبیر کرتے تھے یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے انہوں نے "اَنَا الحق" کہا تھا۔ اسی طور پر شیخ القرآن صاحب نے پیر بابا علیہ الرحمۃ سے محبت رکھنے والوں کو اسطرح ناراض کیا کہ آپ پیر بابا کے شدید ترین مخالف بایزید بن عبداللہ الانصاری کی تعریفیں کرنے لگے حالانکہ پیر بابا علیہ الرحمۃ صحیح العقیدہ مسلمان اور وَلِی اللہ تھے جبکہ بایزید عقیدۂ حلول کا قائل تھا۔ موسیقی اور رقص کا دلدادہ تھا اور سرود کو خدا کی رازوں میں سے ایک راز سے تعبیر کرتا تھا۔ آپ شریعت کو رات اور معرفت کو سورج سے تشبیہ دیتے تھے جس کا مطلب یہ تھا کہ معرفت نصیب ہو جائے تو شریعت کی پابندیاں اُٹھ جاتی ہیں۔ اِن فاسد عقائد کی وجہ سے پیر بابا علیہ الرحمۃ اور آخوند درویزہ بابا علیہ الرحمۃ نے آپکو پیر تاریک کہا تھا۔ شیخ القرآن صاحب نے ایسے شخص کو اپنی کتاب میں اَلشَّیخ کہا ہے اور صوفیا کرام کے باب میں اسکو شامل کیا ہے[۱۷]۔ آپکا بیٹا مولانا محمد طیب بھی بایزید کا دلدادہ ہے۔ لکھتے ہیں "بایزید نے مغلوں کے خلاف پٹھانوں کا ساتھ دیا مُلاؤں نے انکو کافر بنا دیا[۱۸]۔ سوچیئے تو یہ پیر بابا علیہ الرحمۃ اور آخوند درویزہ بابا علیہ الرحمۃ پر کتنا بڑا اِلزام ہے۔ آپ نے حنفی مسلک میں بعض مسلّمہ مسائل میں بھی نئی بحث شروع کر دی۔ مثلاً عید الاضحیٰ کے دن قربانی کے وجوب پر علماء اَحناف کا اتفاق ہے لیکن آپ نے اس کو سُنت قرار دیا اور بعض صحابہ کرامؓ کے بارے میں بتا دیا کہ وہ صاحبان ثروت ہونیکے باوجود قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔ اسکی تفصیل ہم شیخ القرآن صاحب کے تفرّدات کے باب میں بیان کرینگے۔ اِن شاء اللہ۔ آپ نے بعض ائمۂ مساجد کو بھی ناراض کر دیا جو متأخرین کے فتویٰ کی رو سے امامت پر اُجرت لینے کا قائل تھے۔

(۱۷) نیل السائرین ص
(۱۸) ازالہ اوہام

شیخ القرآن صاحب بضد تھے کہ متقدمین کے سامنے متأخرین کی کیا حیثیت ہے۔ تاہم بعد میں جب آپکے متوسلین میں سے چند لوگ اِس منصب پر فائز ہو گئے تو متأخرین کی حیثیت بحال ہو گئی۔

اِن وجوہات کی بناء پر اصل مسئلہ توحید پس منظر میں چلا گیا حقیقی شرک نظروں سے اوجھل رہا اور لوگ سماعِ موتیٰ اور توسل کو شرک سمجھنے لگے۔ مزاروں پر عرس کرنے والے، اہلِ قبور کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنے والے مزاروں کا طواف کرنے اور اُن پر چراغاں کرنیوالے۔ اولیاء اللہ کی قبروں پر غلاف اور نذریں چڑھانے والے اور مصائب میں انکو پکارنے والے اپنی جگہ رہ گئے اور علماء توحید آپسمیں اِن باتوں پر مناظرہ کرتے رہے کہ مُردے سُنتے ہیں یا نہیں۔

جماعتِ اسلامی کی تائید اور مخالفت

حضرت شیخ القرآن آف پنج پیر اوائل میں مولانا مودودیؒ کا مدّاح اور جماعتِ اسلامی کے پروگرام کا موئید تھے۔ آپ مولانا کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پڑھنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کے ہر کارکن پر جماعتِ اسلامی کا رنگ چڑھا ہُوا تھا۔ میں بچپن میں خاندانی اثرات کی وجہ سے نیشنل عوامی پارٹی سے تعلق رکھتا تھا لیکن یہ شیخ القرآن صاحب کی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ میں مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کو بھی پسند کرتا تھا۔ چنانچہ جب میں نے شیخ القرآن صاحب کی زندگی کے بارے میں ۱۹۶۷ء میں کتاب لکھی اس میں میں نے مولانا مودودیؒ پر بھی عقیدت کے پھول نچھاور کئے اور اُن کی کتابوں کے متعدّد حوالے دیئے۔ شیخ القرآن صاحب نے یہ کتاب دیکھی اور بیحد پسند کیا۔ اس کے بعد فیروز شاہ صابرؔ نے ایک کتاب لکھی تو اس میں بانیٔ تحریک کیساتھ مولانا مودودیؒ کا ذکر بھی ضروری سمجھا۔ مردان اور صوابی کے علاقوں میں قربت کا یہ حال تھا کہ اِس وقت کے ضلع مردان کا امیر مولانا گوہر رحمان اور شیخ القرآن صاحب پنج پیر اکٹھے عام جلسوں

سے خطاب کرتے اور اگر کبھی شیخ القرآن صاحب کی طبیعت ناساز ہوتی تو وہ مولانا گوہر رحمٰن صاحب کے خطاب کو کافی سمجھتے۔ ۱۹۶۷ء میں جب سوشلزم کے فتنہ نے سر اُٹھایا تو جماعت اسلامی کے کارکن میدان میں اُتر آئے۔ اشاعت التوحید والسنۃ کے اصاغر و اکابر بھی اس فتنہ کو مٹانے کیلئے جماعتِ اسلامی کے شانہ بشانہ کھڑے ہوئے اس دوران جماعتِ اسلامی کے مقامی رہنماؤں سے بہت بڑی غلطی ہوگئی۔ اُنہوں نے قومی اتحاد و اتفاق کے شوق میں یہ کہنا شروع کردیا کہ فروعی مسائل میں پڑ کر وقت اور صلاحیتوں کا ضیاع اُمّت مسلمہ کیلئے نقصان دہ ہے۔ فتنۂ سوشلزم کی سرکوبی کے لیئے اتحاد کی ضرورت ہے جب کہ فروعی مسائل نے قومی اتحاد کو پارہ پارہ کردیا ہے۔ شیخ القرآن صاحبؒ آف پنج پیر ان باتوں سے رنجیدہ تھے لیکن انہوں نے کافی عرصہ تک صبر و تحمل سے کام لیا۔ ۱۹۶۹ء میں جب میں نے اور فیروز شاہ صاحب نے آپ سے پوچھا کہ جماعت اسلامی کے خلاف کچھ لکھنے کا ارادہ ہے تو آپ نے فرمایا ایسا کرکے میں مبتدعین کو خوش کرنا نہیں چاہتا۔ شیخ القرآن صاحب نے جب محسوس کیا کہ جماعت اسلامی کے بعض رہنماؤں نے آپکے مشن کی مخالفت کو وظیفۂ حیات بنا دیا ہے تو آپ نے بھی اپنے دفاع کیلئے احتیاطی تدابیر اختیار کیں فروری ۱۹۶۹ء میں آپ نے اشاعت التوحید والسنۃ کے ارکان کا ہنگامی اجلاس پشاور میں بلایا جس میں مجھے اور فیروز شاہ صاحب کو بھی دعوت دی گئی۔ اجلاس کا ایک نکاتی ایجنڈا یہ تھا کہ جماعت اسلامی کے ساتھ اتحاد برقرار رکھا جائے یا اسکو توڑا جائے۔ اس موقعہ پر شیخ القرآن صاحبؒ نے اپنے موقف کی وضاحت کی اور کہا کہ آپ کی اپنی تنظیم ہے، اس کے مقاصد سے آپ آگاہ ہیں۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ اپنی تنظیم سے آپ کی دلچسپی کم ہونے لگی ہے اور آپ کی دلچسپیوں کا مرکز و محور جماعتِ اسلامی بن گیا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ آپ اپنی تنظیم کے مقاصد کو اولیت دیں اور جماعت اسلامی کو ثانوی حیثیت دیں شیخ الحدیث مولانا عنایت الرحمٰن جو آپ کے متوقع جانشین تھے نے موقعہ پاکر سوال

کیا کہ اگر ہم جماعتِ اِسلامی کے ارکان نہ بنیں اور محض متفق کی حیثیت سے اُنکے ساتھ رہیں تو ؟ آپ نے جواب دیا یہی تو میں کہتا ہوں، جماعتِ اِسلامی سے متفق تو میں بھی ہوں لیکن رُکن بننا نہیں چاہتا۔ یہ بڑی اِنصاف کی بات تھی جو شیخ القرآن صاحب نے کہی تھی اور قریب تھا کہ اِس پر دُعائے خیر کیا جاتا لیکن پتہ نہیں اِشاعت کا نائب امیر مولانا عبدالرحیم چترالی کس بات پر بگڑ گیا۔ اب میں سوچتا ہوں تو شایدوہ اس کے حق میں نہ تھا کہ اشاعت کے جن افراد نے جماعتِ اِسلامی کی رُکنیت اختیار کی تھی وہ مستعفی ہو جائیں۔ میں نے شیخ القرآن صاحب کی طرف دیکھا تو وہ بڑا افسردہ تھا۔ آپ نے اجلاس کو ملتوی کرنے کا حکم دیا اور یوں فیصلہ ہُوئے بغیر اجلاس برخاست ہو گیا۔ چند دن بعد معلوم ہُوا کہ شیخ القرآن صاحب نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ ہمارا جماعتِ اسلامی کیساتھ کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے چنانچہ اشاعت کے بیشتر مرکزی رہنماؤں سمیت، علماء کی بہت بڑی تعداد اِشاعت سے مستعفی ہو کر جماعتِ اِسلامی کیساتھ وابستہ رہی۔

گھسے پٹے الزامات شیخ القرآن صاحب نے مولانا مودودیؒ پر وہی الزامات لگانا شروع کئے جنکو وہ مبتدعین کے بُہتانات کہا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپ کے قریب ترین شاگرد سب کچھ جانتے تھے اِسلئے ان پر ان اِتہامات والزامات کا کچھ اثر نہ ہُوا۔ البتہ جماعتِ اِسلامی سے وابستہ آپکے شاگردوں نے آپ کے احترام کا پورا خیال رکھا اور آپ کے کسی الزام کا جواب نہیں دیا۔

آپ کے تلامذہ آپکے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں ہیں جن میں سے بعض نے اِقامتِ دین کیلئے گرانقدر خدمات انجام دیئے۔ مولانا عبدالرحیم چترالیؒ نے منبر و محراب سے لیکر اقتدار کے ایوانوں تک میں صدائے توحید بلند کی جشنِ شندور کے نام پر فحاشی پھیلانے کا منصوبہ آپ ہی نے ناکام بنا دیا۔ اِس راہ میں آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور آخر تک

راہِ حق کا مسافر رہے شیخ الحدیث مولانا عنایت الرحمٰنؒ نے قرآن و حدیث کی اشاعت کی عظیم خدمات انجام دیں۔ آپ قرآن کریم کیساتھ ساتھ صحاح ستہ بھی پڑھاتے رہے مولانا خان بادشاہ شہیدؒ آخر تک آپ کے ساتھ رہے۔ انہوں نے چارسدہ میں قرآن کریم کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ مولانا عبدالسلام رستمی بڑا ذہین اور متبحر عالم دین ہیں۔ لیکن اب اللہ کی الگ جماعت ہے اور دین کا کام کر رہا ہے۔ مولانا محمد طیب صاحب آپ کے فرزند ارجمند بھی ہیں اور شاگرد بھی۔ انہوں نے تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ہے اور سورۃ فاتحہ کی تفسیر "قطوف الدانیہ فی تفسیرہ سورۃ الوافیۃ" کے نام پر منظر عام پر آچکی ہے۔ یہ بڑی اچھی تفسیر ہوگی البتہ نام رکھتے وقت قواعد زبان کا خیال رکھنا ضروری تھا۔

شیخ القرآن صاحب کے اساتذہ کی حالات زندگی

حضرت شیخ القرآن آف پنج پیر کے اساتذہ کے اسماء گرامی سے آپ واقف ہو چکے ہوں گے۔ اُن دو اساتذہ حضرت مولانا حسین علیؒ اور حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتیؒ کی حالات زندگی بھی آپ پچھلے ابواب میں پڑھ چکے ہیں تیسرے استاد حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی زندگی کے حالات پیش خدمت ہیں۔

ولادت اور بچپن

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۱۰ مارچ ۱۸۷۲ء کو سیالکوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر نے سن پیدائش ۱۸۶۲ء لکھا ہے[19] لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ۱۸۸۴ء میں بارہ سال کی عمر میں تحفۃ الہند نامی کتاب پڑھ کر اسلام سے متاثر ہوا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی اسلام کی وجہ یہ بتائی ہے۔ مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر نے لکھا ہے کہ آپ ایک برہمن اور ایک مولوی کے مناظرہ میں مولوی کے دلائل سے متاثر ہو کر اسلام کا دلدادہ ہو گئے تھے۔ لیکن آپ

(۱۹) نیل السائرین ص ۳۶۳

کا ترجمان اور شاگرد رشید پروفیسر محمد سرور رقمطراز ہیں "کسی مولوی نے اسے دلیل سے قائل نہ کیا تھا اور نہ کسی بزرگ کی سنی سنائی بات پر اس نے یقین کر لیا تھا[۲۰]"

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ صفر ۱۳۰۶ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے جہاں آپ نے مولانا حکیم محمد حسن، مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے مختلف کتابیں پڑھیں[۲۱]۔

ہجرت کابل ۱۳۳۲ھ میں آپ شیخ الہند کے حکم سے کابل چلے گئے جہاں سات سال گزار دیئے۔ اس دوران آپ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے گراں قدر خدمات انجام دیں[۲۲]۔

ماڈرن ازم مولانا سندھیؒ بارے عام لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ یہ کوئی روایتی قسم کا تنگ نظر مولوی تھے جو دُنیا و مافیہا سے بے خبر مسجد و خانقاہ کے احاطوں تک کے سوچ کے مالک تھے لیکن وہ یہ پڑھ کر حیران ہوں گے کہ وہ الٹا ماڈرن قسم کے آدمی تھے چنانچہ لباس اور خوراک تک کے معاملے میں آپ جدیدیت کے قائل تھے۔ آپ نے چُھری کانٹے کے ساتھ کھانے کی خُوب مشق کی تھی اور جب بھی اعلیٰ سطح کی مجلسوں میں شریک ہوتے بلا جھجھک چھری کانٹے کا استعمال کرتے اپنی خود نوشت میں آپ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے لکھا ہے "ہم نے پورا ایک دن چُھری کانٹا استعمال کرنے کی مشق میں صرف کیا اور پھر بے تکلف دعوتوں میں شریک ہوتے رہے[۲۳]"، امیر کابل سے ملاقات کی غرض سے آپ نے سوٹ بوٹ پہننا بھی گوارا کیا۔ آپ کے ساتھ ہجرت میں شامل مولانا عبداللہ لغاری رقمطراز ہیں "مولانا نے مجھ سے کہا کہ جو بوٹ اور سوٹ امیر کابل پہنتے

(۲۰) مولانا عبیداللہ سندھی ص ۲۴
(۲۱) نیل السائرین ص ۴۶۳
(۲۲) کابل میں سات سال ص ۴۵
(۲۳)

ہیں اسی کپڑے سے ویسے ہی سوٹ میرے لئے تیار کرو[۲۴]۔

بعض تنگ نظر لوگ اُس وقت بھی سُوٹ بُوٹ اور چھری کانٹا کے استعمال پر ان کو مَطعون کیا کرتے تھے اور اب بھی بعض لوگوں کے لئے اُن کا یہ طرزِ عمل لائقِ ملامت ہے لیکن ان لوگوں نے ان حالات کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ نہیں کیا ہے جن سے وہ دو چار تھے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے امیر کابل سے ملاقات اور ملاقات کے لئے حالات سے سمجھوتہ ضروری تھا۔

سیاحتِ روس ۱۹۲۲ء میں آپ روس تشریف لے گئے اور وہاں ایک سال گزارا آپ نے روس کے سرکردہ لیڈروں سے ملاقاتیں کیں۔ بعض لوگوں نے اِن میں لینن کا نام بھی شامل کیا ہے اور اس کے ساتھ ایک من گھڑت قصہ کی دم لگائی ہے شیخ القرآن صاحب نے بھی لکھا ہے کہ آپ ماسکو میں لینن سے ملے اور اس پر اسلام پیش کیا[۲۵] لیکن مولانا سندھی رح نے اس کی تردید کی ہے۔ لکھتے ہیں "یہ غلط ہے کہ میں لینن سے ملا، کامریڈ لینن اُس وقت ایسا بیمار تھا کہ اپنے قریبی دوستوں کو نہ پہچان سکتا تھا[۲۶]"

مولانا عبید اللہ سندھی رح کے تفرّدات حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح کے تفرّدات کی فہرست بڑی طویل ہے۔ اُن کو جمع کیا جائے تو ضخیم کتاب بن سکتی ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ میں ان کے اجتہاد کا نرالا انداز ہے۔ آپ تحقیق کرتے ہیں اور جب اپنے زُعم میں حقیقت تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں تو دُنیا کی کوئی طاقت ان کو یہ حقیقت بیان کرنے سے نہیں روک سکتی۔ ہم ان کے بہت سارے تفرّدات میں سے چند ایک یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے نقل کرتے ہیں۔

(۲۴) مولانا عبید اللہ سندھی کی سرگزشت کابل۔ قومی ادارہ برائے تحقیق اسلام آباد ص ۹۰
(۲۵) نیل السائرین ص ۳۶۴
(۲۶) کابل میں سات سال ص ۱۵۵

تفسیر قرآن میں تفردات مولانا موصوف کی مشہور تفسیر "الہام الرحمٰن فی تفسیر القرآن" عربی زبان میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے کچھ حصّوں کا ترجمہ مولانا محمد معاویہ مرحوم نے اُردو زبان میں کیا ہے دوسری تفسیر اُردو زبان میں ہے، اس کا نام "تفسیر المقام المحمود" ہے اس کا ایک حصّہ سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک شائع ہو چکا ہے۔ آخری پارہ عم بھی شائع ہو چکا ہے۔ اب ہم ان کے تفسیری تفردات میں سے چند ایک نقل کرتے ہیں۔

شجرۂ ممنوعہ آدمؑ و حواؑ کا جنت سے نکلنے کا سبب تقریباً تمام مفسرین کے نزدیک یہ ہے کہ انہوں نے جنّت میں شجرۂ ممنوعہ سے کچھ کھایا تھا لیکن مولانا سندھیؒ کے نزدیک شجرۂ ممنوعہ سے جو کچھ مراد ہے وہ اُن کے الفاظ میں پڑھیئے۔ "ابلیس اپنی جنیہ کے ساتھ آیا اور جنّت کے باہر اس سے جماع کیا۔ اُسے آدمؑ اور حواؑ نے دیکھ لیا۔ پھر اُن کے سینوں میں وسوسہ ڈالا کہ وہ بھی یہ کام کریں تو انہوں نے یہ کام کیا تو جنّت سے نکال دیئے گئے[۲۷] اپنی اُردو تفسیر المقام المحمود میں لکھتے ہیں "آدم علیہ السلام شیطان کے باغ دکھانے میں آگئے۔ اس وقت بہیمیت کا غلبہ ہوا اور ملکیت پر غالب آگئی اور شیطان کی قسم پر اعتبار کر کے اس شجرۂ کے نزدیک گئے جس سے انہیں منع کیا گیا تھا یعنی وہ بیوی سے ہم بستر ہوئے۔ ایک تو شیطان نے قسم کھا کر فریب دیا دوسرا آغاز جوانی تھی"[۲۸]۔

حدود اور تعزیرات حدود اور تعزیرات بارے بھی مولانا موصوف کی منفرد رائے ہے۔ رجم بارے ان کی رائے یہ ہے کہ یہ سزا صرف عادی زانی کو دی جاسکتی ہے۔ لکھتے ہیں "شادی شدہ مرد جس کی زوجہ موجود ہے وہ محصن ہے اور پھر وہ زنا کا عادی بھی ہو جائے تو اسے رجم کیا جائے گا اگر اس میں بھی مسلمان مصلحت دیکھیں اور رعایت کریں کہ یہ عدم رجم اولی ہے تو انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ سورۂ نساء آیت ۱۵

(۲۷) الہام الرحمٰن" مکتبہ اوراق۔ میکلیگن روڈ اے جی آفس لاہور۔ سورۂ بقرہ۔ آیت ۳۵
(۲۸) مکی دارالکتب۔ یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور۔ ج ۱ ص ۲۲۹۔

چور کا ہاتھ کاٹنا چور کے قطع ید کے لئے بھی آپ عادت کو شرط قرار دیتے ہیں نیز ان کے نزدیک چور کا اطلاق صرف اس شخص پر ہوتا ہے جو سونا چرالے۔ لکھتے ہیں "سارق کا معنی یہ ہے کہ وہ عادی ہو اور چوتھی بار کے بعد چوری اس پر ثابت ہو، پھر چرائے ہوئے مال کے متعلق بھی ہمارا مخصوص مطالعہ ہے وہ یہ کہ شارع علیہ السلام نے سونے کی چوری کے متعلق یہ حد مقرر کی ہے لہٰذا اگر چور سونا چرالے اور مسلمانوں کی آخری حفاظت کو بھی تباہ کر ڈالے پھر وہ چوری کا عادی بھی ہو جائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا"[29]۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان کی طرف رفع جسمانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی پر اُمت کا اجماع ہے اور کئی مستند احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے لیکن اس بارے بھی مولانا کی منفرد رائے ہے۔ فرماتے ہیں مفسرین نے ایک قصہ بنا دیا اور مسلمان اس پر ایمان لائے کہ مسیح رفع کر دیا گیا....

یقیناً اللہ نے اس کا مقام بلند کیا نیز ہمیں ضرورت نہیں کہ قرآن کی تفسیر میں اس کے رفع جسمانی کے قائل ہوں[30]۔" المقام المحمود میں یوں رقمطراز ہیں "جس طرح تمام بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اپنی طرف اٹھالیا۔ یہ انسانیت کا عام قاعدہ ہے کہ جس بزرگ کی قبر مشتبہ ہو جائے تو اس کی متعدد جگہوں پر یا تو قبریں بنائی جاتی ہیں اور یا کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا[31]۔

کفار طویل مدت تک جہنم میں رہیں گے اُمتِ مسلمہ کا اِس بات پر اجماع ہے کہ کفار و مشرکین ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے لیکن مولانا موصوف کے نزدیک " خالدین فیہا ابداً" سے مراد مدت کی طوالت ہے۔ رقمطراز ہیں" جنت کے داخلہ کے لئے جو درجہ ہے اس کو

(۲۹) العام الرحمٰن۔ سورۂ نساء آیت ۱۵
(۳۰) ایضاً۔ آیت ۱۵۸۔
(۳۱) ج ا ص ۱۵۶۔

جو جماعت پورا کرے گی وہ دوزخ سے نکال دی جائے گی اس طرح ہوتے ہوتے ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ دوزخ میں ایک آدمی بھی نہیں رہے گا۔ اب دوزخ بالکل ختم کر دی جائے گی۔"[۳۲] یہ ہیں مولانا کے تفسیری تفردات میں سے چند ایک جن کو ہم نے بالاِیجاز نقل کیا ہے۔ مولانا نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے اور بڑے دلچسپ عقلی دلائل سے اپنے دعاوِی کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اَحادیث اور اس کی تشریح میں تفردات

تفسیر قرآن کریم کی طرح احادیث کی تشریح میں بھی آپ کا منفرد انداز ہے۔ آپ اَسلاف کی تاویلات وتعبیرات کو چنداں اہمیت نہیں دیتے۔ نمونہ کے طور پر ہم چند تفردات کا ذکر کرتے ہیں۔

مہدی آخرالزمان کا ظہور

احادیث کی کتابوں میں مہدی آخرالزمان کے ظہور کی روایات موجود ہیں جس کی بناء پر اُمت مسلمہ کے علماء کا اِس پر اتفاق ہے لیکن مولانا سندھیؒ اُس سے اتفاق نہیں کرتا لکھتے ہیں "مسلمانوں کے دماغ میں یہ خیال راسخ ہوگیا ہے کہ قوم کو پستی سے نکالنے کے لئے کوئی غیر معمولی شخصیت چاہیے۔ امام مہدی کا تصور اسی غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے"[۳۳]

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی افضلیت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد افضل الناس ہونے پر اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء کا اتفاق ہے۔ اِسی ہی فضیلت کی وجہ سے آپ خلیفہ چن لئے گئے۔ اِس انتخاب کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو الفاظ فرمائے تھے قابلِ غور ہیں "ہم تیری ہی بیعت کرتے ہیں، تو ہمارا سردار ہے ہم سب میں سے بہتر ہے۔ اور ہم سب میں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب ہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور بیعت کی۔

(۳۲) المقام المحمود۔ آخری پارہ ص ۴۷

(۳۳) محمد سرور۔ افادات وملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی۔ سندھ ساگر اکادمی لاہور ص ۵۱۱

پھر دوسرے لوگوں نے بھی بیعت کی[۳۴]" اِس بارے مولانا سندھی رح کی منفرد رائے ہے۔

میری رائے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق رض کو خلافت کے معاملے میں سب پر مقدم کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی ذات ایسے کمالات کی حامل تھی کہ صحابہ کی پوری جماعت میں سے کوئی اور ان کمالات میں حضرت ابوبکر رض کا مقابل نہ تھا بلکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ اس وقت مسلمانو کی ایک مرکزی جماعت تھی جس کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین چننے کا اختیار تھا۔اِس جماعت کا قرعہ انتخاب حضرت ابوبکر رض پر پڑا اس لئے اِس کا فیصلہ قبول کرنا ہوگا اگر یہ مرکزی جماعت حضرت علی رض۔ حضرت عثمان رض یا حضرت عمر رض کو ترجیح دیتی تو مسلمانوں کے لئے اِس کے اِس فیصلے کو ماننا بھی اس طرح ضروری اور فرض ہوتا۔[۳۵]

بخاری کی حیثیت مولانا عبیداللہ سندھی رح کی رائے میں صحیح بخاری کی وہ حیثیت نہیں ہے جو عام علماء اہل السنۃ والجماعۃ اس کو دے رہے ہیں۔ ان کے ہاں بخاری کی بعض حدیثوں کی تضعیف کی جا سکتی ہے۔لکھتے ہیں۔

میں امام بخاری کی الجامع الصحیح کو حدیث کی اصح الکتب نہیں مانتا ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے نزدیک چالیس حدیثیں ایسی ہیں جن پر وارد ہونے والے اعتراضات رد نہیں کئے جا سکتے۔انہوں نے بخاری کی دوسری حدیثوں پر جن کی تعداد کوئی ایک سو کے قریب ہے عائد شدہ اعتراضات کے جواب دیئے ہیں۔بخاری کی بعض حدیثیں ایسی ہیں جن کی تضعیف

(۳۴) صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۱۸
(۳۵) افادات و ملفوظات ص ۳۵۱

میں کرسکتا ہوں مثلاً روایت تورات کی ہے اور راوی نے غلطی سے
اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کردیا ہے۔ بخاری کو
حدیث کی اصح الکتب ماننے سے عقل مند آدمی مرے سے حدیث کا انکار
کرنے لگتا ہے[۳۶]۔

یہ اور اِس قسم کے دوسرے تفردات کے ساتھ کسی بھی صورت میں اتفاق نہیں کیا جاسکتا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ ان کو خارج از اسلام قرار دیا جائے اور ان کی دوسری دینی خدمات پر پانی پھیر دیا جائے۔

شیخ القرآن آف پنج پیر کے تفرّدات

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کو تحقیق و تفتیش اور اجتہاد کا مَلکہ حاصل تھا وہ تو کسی بھی صورت میں ان کے شاگرد مولانا محمد طاہر صاحب کو حاصل نہ تھا البتہ ان کی مجلس میں بیٹھنے کا اثر تھا کہ آپ میں بھی جذبۂ تحقیق پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ آپ نے بھی بعض مسائل میں تحقیق کا تکلّف کیا ہے لیکن مولانا سندھیؒ اور آپ کی تحقیق میں زمین و آسمان کا فرق ہے مثلاً مولانا سندھی بخاری کی اصح الکتب ہونے سے انکار کرتا ہے اور بعض احادیث کی تضعیف کا دعویٰ کرتا ہے۔ مولانا محمد طاہر صاحب پنج پیر حدیث کی کتاب ترمذی کو ہدف تنقید بناتا ہے لیکن اوّل الذکر قاری کو دُور تک اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے، اس کا دامن نئی معلومات سے بھرتا ہے اور دلائل کے انبار لگا کر قاری کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے جبکہ آخر الذکر امام ترمذیؒ پر تساہل کا الزام لگاتا ہے لیکن کوئی دلیل پیش نہیں کرتا۔ اب ہم اُن کے چند ایک تفردات کا باقاعدہ ذکر کرتے ہیں۔

عید الاضحیٰ کے دن اضحیہ سُنت ہے

احناف کے نزدیک عید الاضحیٰ کے دن صاحب

(۳۶) افادات و ملفوظات ص ۶۱م-۶۲

نصاب پر قربانی واجب ہے شریعت میں اس کو اُضحیہ کہا جاتا ہے۔ احادیث میں اس کی بہت زیادہ اہمیّت بیان کی گئی ہے اس لئے صرف اَحناف نہیں بلکہ امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ بھی اس کے وُجوب کے قائل ہیں شوافع اس کو سُنّت مؤکدہ کہتے ہیں اور اس کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں۔ شیخ القرآن صاحب کے نزدیک یہ قربانی محض سُنّت ہے اور جو لوگ ہر سال اضحیہ کرتے ہیں وہ افراط اور زیادتی کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں " الاولی عید الاضحیٰ فالسنۃ فیہا الاضحیۃ والصلوٰۃ والتکبیرات[37] " پہلی عید الاضحیٰ ہے۔ قربانی، نماز اور تکبیرات عید الاضحیٰ میں سنت ہیں" حضرتِ شیخؒ آگے تشریح نہ کرتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اِن باتوں کو انہوں نے سُنّت اِن معنوں میں کہا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال ہیں اور آپ کا ہر فعل آپ کی سُنّت ہے" لیکن آگے چل کر جب وہ اس کے التزام کو افراط سے تعبیر کرتے ہیں تو بات کھل جاتی ہے کہ آپ اس کو ایسی سُنّت سمجھتا ہے جس کی پابندی مطلوبِ شریعت نہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں " وافرط بعضھم فی الاضحیۃ حتی جعلوھا من الفرائض فلا یترکونھا بحال[38] " بعض لوگوں نے عید کے دن قربانی میں افراط سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو فرائض میں سے سمجھا ہے اور کسی حال میں اس کو نہیں چھوڑتے۔ اِس دعویٰ کی تصدیق کے لئے اُن کو شاطبیؒ کی کتاب الاعتصام میں کچھ دلائل مل گئے۔ جبکہ اُن احادیث سے صحاح کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن سے قربانی کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے دو روایات کا سہارا لیا ہے جن کو ہم نقل کرتے ہیں " حذیفہ بن اسید نے کہا میں ابو بکرؓ و عمرؓ کے پاس حاضر تھا وہ دونوں قربانی نہیں کیا کرتے تھے اس خوف سے کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھیں۔ دوسری روایت یوں نقل کرتا ہے " ابنِ مسعود سے روایت ہے کہا میں مالدار ہونے کے

(۳۷) ضیاء النور ص ۱۹۶
(۳۸) ایضاً ص ۱۹۷

باوجود اضحیہ نہیں کرتا اس ڈر سے کہ پڑوسی واجب سمجھیں گے۔[۳۹] اپنی دوسری کتاب "اصول السنۃ" میں چند دوسرے صحابہ کرامؓ کو بھی قربانی نہ کرنے کی فہرست میں شامل کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، جابرؓ اور ابن عباسؓ کا فرضوں میں زیادتی کے خوف سے اضحیہ ترک کرنا اسی باب سے تھا۔[۴۰] آگے رقمطراز ہیں "ان اصحابہ کرامؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ سُنت کو اِس خوف سے چھوڑا تھا کہ لوگ ان کو فرض نہ سمجھیں۔ آگے چل کر متروک سُنتوں میں اور بھی اضافہ کرتا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"فترکو الطاعات والعبادات وکثیراً من السنن والمستحبات خوفاً من الزیادۃ فی الدین۔"[۴۱]

پس صحابہ کرامؓ نے طاعات، عبادات اور بہت ساری سنتیں اور مستحبات اس خوف سے چھوڑے تھے کہ دین میں زیادتی نہ ہو جائے۔ حضرت شیخؒ کے ارشادات سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۱) اضحیہ واجب نہیں سُنت ہے (۲) بعض لوگ اِس میں افراط کرتے ہیں۔ (۳) افراط یہ ہے کہ پابندی کے ساتھ قربانی کرتے ہیں (۴) حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، ابن مسعودؓ، حضرت جابرؓ اور حضرت ابن عباسؓ صاحبان نصابِ ہونے کے باوجود قربانی نہیں کیا کرتے تھے (۵) اِس خوف سے کہ لوگ اس کو واجب نہ سمجھیں (۶) ان صحابہ کرامؓ نے دوسری عبادات، طاعات اور بہت ساری سنن اور مستحبات بھی اِس خوف سے ترک کئے تھے کہ لوگ ان کو فرض نہ سمجھیں اور دین میں اضافہ نہ ہو۔ میں اِن ارشادات کو زیرِ بحث لاتا ہوں تاکہ احقاقِ حق کا فریضہ ادا ہو جائے تاہم شیخ القرآن صاحبؒ کے پیروکاروں اور دوسرے علماء سے درخواست ہے کہ اگر میں نے غلطی کی ہے تو فوراً رہنمائی فرمائیں تاکہ میں بھی اور وہ بھی عنداللہ ماجور ہوں۔ اِس حقیقت سے ہر صاحب علم آگاہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے نزدیک شارع صرف نبی کریمؐ ہیں۔

(۳۹) ایضاً
(۴۰) ص ۴۲
(۴۱) ایضاً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ کوئی کام التزام کے ساتھ کرتے تاکہ لوگ اس کو ضروری سمجھیں اور کوئی کام کبھی کبھی چھوڑتے تھے تاکہ لوگ واجب نہ سمجھیں صحابہ کرام رضی اطاعت کرنے والے تھے اور وہ ضروری اور غیر ضروری فعل کی تفریق کر سکتے تھے۔ اکابر صحابہ کرام رضی میں سے اگر کسی صحابی رضی نے کوئی کام التزام کے ساتھ کیا ہے تو بھی شاگردوں کو سمجھایا ہے کہ یہ سُنّت ہے یا واجب۔ مثلاً تراویح کی نماز اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التزام کے ساتھ پڑھتے تو یہ نماز واجب ہو جاتی لیکن حضرت عمر رضی، حضرت عثمان رضی اور حضرت علی رضی کے التزام کے ساتھ پڑھنے کے باوجود، دور صحابہ کرام رضی سے لے کر آج تک کسی نے یہ نماز واجب نہیں سمجھی۔ اس لئے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ صحابہ کرام رضی نے قربانی چھوڑی ہوگی یا دوسری طاعات و عبادات۔ قربانی کے وجوب پر بہت ساری احادیث دلالت کرتی ہیں۔ جن میں دو یہاں نقل کی جاتی ہیں۔ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا قربانی واجب ہے انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔ اس شخص نے دوبارہ یہ سوال کیا تو ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تجھ میں عقل ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے۔(۴۲) ابن عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دور کے صحابہ کرام رضی نے التزام کے ساتھ قربانی کی ہے اس لئے واجب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص طاقت رکھتا ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔(۴۳)" ظاہر ہے کہ ایسی سخت بات ترکِ واجب کے مرتکب کے حق میں کہی جا سکتی ہے۔ اب میں قارئین کی دلچسپی کے لئے ان حضرات صحابہ کرام رضی کے اقوال نقل کرتا ہوں جن کے بارے میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ قربانی نہیں کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخ رح نے جابر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات لکھی ہے لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ میں

(۴۲) جامع الترمذی ج ۱ ص ۲۷۷
(۴۳) ابن ماجہ

قربانی کیا کرتا ہوں اور اس کا گوشت کھاتا ہوں۔" عن جابرؓ بن عبد اللہؓ قال کنا لا نمسک لحوم الاضاحی فوق ثلث فامرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نتزود منہا ونا کل منہا یعنی فوق ثلث"[۴۴] "حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ ہم قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ نہ روکتے تھے تو رسول اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس میں سے بچا کر رکھنے اور تین دن کے بعد بھی کھانے کا حکم دیا۔" حضرت شیخ نے تارکین اضحیہ کی فہرست میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی شامل کیا ہے اور لکھا ہے کہ صاحب حیثیت ہوتے کے باوجود قربانی نہیں کیا کرتے تھے تاکہ لوگ اس کو ضروری نہ سمجھیں لیکن فقہاء نے تصریح کی ہے کہ آپ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما دونوں صاحبانِ نصاب نہ تھے البتہ عید قربان کے دن خطبہ میں لوگوں کو قربانی کی یاد دہانی کیا کرتے تھے۔ حضرت شیخؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی لکھا ہے کہ وہ اضحیہ نہیں کیا کرتے تھے لیکن وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم نے مل کر قربانی کی ہے۔[۴۵]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سفر میں ترکِ قصر

قرآن کریم میں سفر کی حالت میں قصر فی الصلوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔ احناف کے نزدیک قصر واجب ہے۔ حضرت شیخؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ سفر میں قصر کے حکم پر اس خوف سے عمل نہیں کیا کرتے تھے کہ یہاں دیہاتی لوگ مقیم ہونے کی صورت میں بھی کہیں چار کی بجائے دو رکعت نہ پڑھیں۔ گویا اُن کے نزدیک دورِ صحابہؓ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے جو اسلام کے بنیادی رُکن نماز کی رکعتوں تک سے ناخبر تھے۔ اُن کے قول سے ہمارے استنباط کی تصدیق خود اُن کے دوسرے قول سے ہوتی ہے جس میں وہ صاف صاف فرماتے ہیں کہ اس دور میں جاہل لوگ پیدا ہوئے تھے، اس وقت کے سارے لوگ اسلام جاننے والے نہ تھے۔ رقمطراز ہیں "نحن لا نسلم ان کلا ممن کانوا فی عہد عمر رضی اللہ عنہ صالحین عالمین

(۴۴) صحیح المسلم ج ۲۔ ص ۱۵۸

(۴۵) جامع الترمذی ص ۲۷۶

بالاسلام بل کان فی ھذا العصر قد نشأ الجاھلون "[۴۶]۔ ہم یہ بات نہیں مانتے کہ جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں تھے سارے کے سارے صالح اور اسلام کو جاننے والے تھے بلکہ اِس زمانے میں جاہل لوگ پروان چڑھے تھے۔ جہاں تک اِس بات کا تعلق ہے کہ خیرالقرون کے صحابہ کرامؓ وتابعینؒ سارے کے سارے صالح نہ تھے تو یہ ایک انتہائی نامناسب بات ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ سے تعلق رکھنے والا کوئی بھی فرد صحابہ کرامؓ کو معصوم نہیں کہہ سکتا۔ اُن میں سے بعض سے غلطیوں اور گناہوں کا صدور بھی ہوچکا ہے مفسرین اور محدثین اور فقہاء کرام نے ان غلطیوں کا ذکر بھی کیا ہے لیکن کسی عالم دین نے ان کو غیرصالح نہیں کہا ہے وجہ یہ ہے کہ فاسق یا غیرصالح وہ ہوتا ہے۔ جو گناہ پر اصرار کرے جبکہ صحابہ کرامؓ کی صفت یہ تھی کہ وہ توبہ کرنے والے تھے۔ حضرت شیخؒ کی دوسری بات کہ اس دور کے سارے لوگ اِسلام کو جاننے والے نہ تھے بھی درست نہیں ہے۔ موصوف کی بات اِس حد تک تو درست مانی جاسکتی ہے کہ اِس دور کے سارے لوگ تمام علوم کے حامل نہ تھے۔ بعض نے علم تفسیر اور بعض نے علم حدیث میں کمال حاصل کیا تھا اور بعض درجہ کمال تک نہ پہنچ سکے تھے لیکن اِس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ اِسلام کو جاننے والے نہ تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر صحابیؓ اور تابعیؒ اسلام کے بنیادی احکامات سے باخبر تھے۔ حضرت شیخؒ کا یہ کہنا کہ اس دور میں جاہل لوگ اُبھرے تھے ایسی بات ہے جو نہ کہی جاتی تو بہتر ہوتا۔ واقعہ کی اصل حقیقت کیا ہے اِس عقدہ کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے یوں حل کیا ہے۔

" حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب حج کے موقع پر منیٰ میں چار رکعتیں پڑھائیں تو صحابہ کرامؓ نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دے کر لوگوں کو مطمئن کیا کہ میں نے مکہ میں شادی کرلی ہے اور چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سُنا تھا کہ جو شخص کسی شہر میں

(۴۶) البصائر۔ دارالکتب القطر یہ ۱۹۸۳ء ص ۳۰۳

متأہل ہوا ہو وہ گویا اس شہر کا باشندہ ہے[۴۷]۔ یہی بات فقیہ اُمّت شیخ علی بن سلطان محمد القاریؒ نے بھی لکھی ہے جس کے آخر میں رقمطراز ہیں " و فی انکار الناس علیہ دلیل علی انہ علیہ السلام لم یکن یتم الصلوٰۃ فی السفر وان القصر عزیمۃ والا فلا وجہ للانکار۔ حضرت عثمان غنیؓ پر لوگوں کا اعتراض اِس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں اِتمام نہیں کیا کرتے تھے اور یہ کہ قصر عزیمت ہے ورنہ اعتراض بلا وجہ ہوتا[۴۸]۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصر نہ کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ اِسلام سے نابلد دیہاتی قیام کی حالت میں بھی دو رکعت پڑھنے لگیں گے۔ گو یہ بات بعض دوسرے لوگوں نے بھی کی ہے لیکن یہ بڑی کمزور بات ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت

حضرت معاویہؓ کی فضیلت میں امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اور امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی میں روایات نقل کی ہیں لیکن حضرت شیخؒ اُن احادیث کی صحت کا منکر ہے چنانچہ المجد فیروز آبادی کے حوالہ سے رقمطراز ہیں " وباب فضائل معاویہ لیس فیہ حدیث صحیح" معاویہؓ کے فضائل کے باب میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے،، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترمذی میں تو واشگاف الفاظ میں آپ کی فضیلت بیان کی گئی ہے پھر شیخ القرآن صاحبؒ کو اس سے انکار کی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو اس سوال کا جواب ان کی کتاب البصائر میں ملتی ہے لکھتے ہیں " فان ھذہ الکتب ملآن من المنکرات والواھیات او معروفون بالتساھل واللّین کالترمذی فینبغی فیھا التحقیق[۴۹]" یہ مذکورہ کتابیں منکرات و واھیات سے بھری پڑی ہیں یا سہل پسندی اور مداہنت کے لئے مشہور ہیں جیسا کہ ترمذی" ان میں

(۴۷) تفہیم القرآن ج ۱ ص ۳۸۹
(۴۸) مرقاۃ المفاتیح۔ ج ۳ ص ۳۹۳
(۴۹) البصائر ص ۱۰۱

تحقیق کی ضرورت ہے۔" ان احادیث سے بعض دوسرے لوگوں نے بھی انکار کر دیا ہے لیکن ان کے پاس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں وارد شدہ احادیث کو موضوع قرار دینے والوں کے بارے مولانا مودودیؒ رقمطراز ہیں "حضرت معاویہؓ کے معاملے میں بعض محدثین نے تشدد برتتے ہوئے لکھ دیا ہے کہ کوئی حدیث صحیح آپ کے فضائل و مناقب میں وارد نہیں لیکن اس کا مطلب دراصل یہ ہے کہ ایسی کوئی حدیث سند کے اعلیٰ ترین معیار تک نہیں پہنچتی ورنہ سنن ترمذی، کتاب المناقب میں دو ایسی احادیث موجود ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امیر معاویہؓ کے حق میں دعا منقول ہے[۵۰]۔" یاد رہے کہ شیخ القرآن صاحب نے موضوع اور ضعیف احادیث کے ضمن میں اس کا ذکر کیا ہے۔

شیطان کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ظہور

اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا کون فرد ہے جس کا دل خواب میں دیدار مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ تڑپتا ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر اُمتی اس سعادت کا متمنی اور مشتاق ہوتا ہے۔ لیکن شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جو کوئی آپؐ کے دیدار کا شرف حاصل کرتا ہے واقعی وہ آپؐ کو دیکھتا ہے یا شیطان بھی آپ کی صورت میں آسکتا ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے آپؐ نے خوشخبری سنائی کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھ لیا اس نے مجھے ہی دیکھ لیا اس لئے کہ شیطان میری صورت میں آنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ یہ بشارت مسلمانوں کے لئے نوید مسرت ثابت ہوئی اور آج تک جس کسی کو آپؐ کی زیارت خواب میں نصیب ہوتی ہے وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتا۔ اُسے یقین ہوتا ہے کہ اس نے محبوب خُدا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔ لیکن شیخ القرآن صاحب آف پنج پیر نے اس بشارت والی حدیث کی ایسی تاویل کی ہے جس سے اس کی روح نکل جاتی ہے لکھتے ہیں "شیاطین کثرت سے انسانی صورت میں سوتے اور جاگتے میں ظاہر ہوتے ہیں اور جو کوئی نہیں جانتا اس کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے میں موسیٰؑ ہوں اور میں محمدؐ

(۵۰) خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا جائزہ ص ۶۶۲
(۵۱) البصائر ص ۲۵۴

ہوں"۔ اِس تاویل کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا ہے ضروری نہیں کہ اس نے اسی ہی کو دیکھا ہو بلکہ ممکن ہے شیطان کسی بزرگ کی شکل میں آ کر کہے کہ میں محمد ہوں لیکن یہ تاویل سراسر باطل ہے حدیث کی روح یہ ہے کہ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اس نے آپؐ ہی کو دیکھ لیا آگے کا فقرہ اس کی تفسیر ہے کہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ جب آپؐ فرماتے ہیں کہ "من رأنی فقد رأنی" تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں آسکتا ہے نہ یہ دعویٰ کرنے کی طاقت رکھتا ہے کہ وہ محمدؐ ہیں۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ خواب میں ظاہر ہونے والا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ خواب دیکھنے والے کا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ کس کو دیکھ رہا ہے۔

ایک دوسرے سے دُعا کی درخواست

عام طور پر ہمارے ہاں یہ طریقہ ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے دُعا کی اپیل کرتے ہیں۔ خصوصاً جب کسی بزرگ یا عالم دین سے ملاقات ہوتی ہے تو ان سے دعا کی التجا کی جاتی ہے۔ اِسی طور پر لوگ والدین سے بھی دعا کی استدعا کرتے ہیں لیکن شیخ القرآن صاحب کے نزدیک یہ مسنون نہیں اور سلف سے ثابت نہیں رقمطراز ہیں" وقد کان السلف الصالحون یجتمعون ثم یتفرقون ولا یقول احدهم لاحد ان یدعوالی واستغفر لی مخافة ان یتخذ ذلك سنة [۵۲]" سلف صالحین ایک دوسرے سے ملتے پھر ایک دوسرے سے جدا ہوتے اور یہ وہ ایک دوسرے سے نہ کہتے کہ میرے لئے استغفار کہو اس ڈر سے کہ یہ سُنت نہ بن جائے۔ آگے لکھتے ہیں" وھکذا روی عن عمرؓ حین کتب الیه رجل ان ادع لی فکتب الیه : "لست بنبی [۵۳]"۔ اسی طرح عمرؓ سے مروی ہے کہ جب ایک شخص نے اُسے خط لکھ کر دعا کی درخواست کی تو آپ نے اُسے لکھا "میں نبیؐ نہیں ہوں"۔ یہ مولانا کا اپنا قیاس ہے یا کسی کتاب میں انہوں نے دیکھا ہے دونوں صورتوں

(۵۲) اصول السنة ص ۱۱۳
(۵۳) ایضاً

میں قابل قبول نہیں اس لئے کہ ایک دوسرے سے دعا کی التجا کرنا اور ایک دوسرے کے لئے دعا مانگنا صحیح احادیث سے ثابت ہے البتہ اپنے لئے زندگی میں استغفار کا مطالبہ کوئی بھی دوسرے سے نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی اجازت چاہی آپ نے مجھے اجازت دی اور فرمایا پیارے بھائی ہمیں دعا میں شریک کر اور مجھے بھول نہ جا۔[۵۴] حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کی دعا اپنے بھائی کے حق میں پیٹھ پیچھے قبول ہوتی ہے۔[۵۵] رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کے لئے دعا کرنے سے انکار کیا تھا تو یہ صحیح نہیں۔ طبری میں جو روایت ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے استغفار کی درخواست کی تھی۔ آپ نے اُسے لکھا کہ میں نبیؐ نہیں ہوں بلکہ جب نماز قائم ہو جائے تو اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں خود استغفار کہنے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے معافی طلب کرنے کا ارشاد ہے[۵۶] اس لئے عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مناسبت نہ سمجھا کہ لوگ ان سے اس قسم کی استدعا کرے۔

ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی

ایصال ثواب کا مسئلہ علماء و فقہاء کے نزدیک متفق علیہ ہے مُردوں کے ایصال ثواب کے لئے ختم القرآن پر بھی کسی عالم دین نے اعتراض نہیں کیا ہے۔ البتہ مُردوں کے لئے کی جانے والی تلاوت پر اُجرت لینا علماء کے نزدیک ناجائز ہے۔ عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ شیخ القرآن آف پنج پیر اور علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے درمیان تلاوتِ قرآن پر اُجرت لینے میں اختلاف ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف نفسِ ختم القرآن میں ہے۔ شیخ القرآن صاحب

(۵۴) ابوداؤد۔ کتاب الدعوات
(۵۵) صحیح مسلم۔ کتاب الدعوات
(۵۶) سورہ نساء آیت ۶۴۔

اِس کو بدعت سمجھتے ہیں " فالبدعات المروجۃ فی دیارنا کلھا متروکۃ لھذا الاصل وحجۃ المبتدعۃ بشیوع الفعل او بعمل الشیوخ داحضۃ علی ان المحققین من العلماء صرحوا فی کتبھم علی ذمھا کالمیلاد وحیلۃ الاسقاط والعرس والختمات للموتی او علی القبور والاجرۃ علی العبادۃ وعلی القرآن والحدیث"[٥٧] "پس ہمارے علاقوں میں مروجہ ساری بدعتیں لائق ترک ہیں اور کسی فعل کے عام ہونے پر یا اس پر کہ یہ شیوخ کا عمل ہے مبتدعین کا استدلال باطل ہے اِس لئے کہ محققین علماء نے اپنی کتابوں میں اس کی مذمت کی تصریح کی ہے جیسا میلاد شریف کرنا، حیلہ اسقاط کرنا، عرس کرنا، مُردوں کے لئے ختم کرنا، یا قبروں پر ختم کرنا، عبادت پر اُجرت لینا اور قرآن اور حدیث پر اُجرت لینا"۔ اس عبارت کو غور کے ساتھ پڑھنے سے صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت شیخ کے نزدیک مُردوں کے لیے ختم القرآن ناجائز ہے۔ رہا قرآن کریم پر اُجرت کا مسئلہ تو اس کا ذکر انہوں نے الگ کر دیا ہے۔ دوسری جگہ رقمطراز ہیں " وقد ترک النبی علیہ السلام واصحابہؓ قراءۃ القرآن علی القبور رحمۃ بالمیت والختم للموتی"[٥٨] اور یقیناً نبی علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے میّت کے ساتھ مہربانی کی خاطر قبروں پر قرآن کی تلاوت ترک کیا تھا اور مُردوں کے لئے ختم القرآن نہیں کئے تھے۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مُردوں کے لئے ختم القرآن کو بدعت سمجھتے ہیں خواہ اُجرت پر ہو یا بِلا اُجرت۔

مزار اقدس کے نزدیک دعا کی حیثیت

شیخ القرآن صاحب کے نزدیک مزار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعا صحابہ کرامؓ اور تابعین حضرات سے ثابت نہیں ہے لکھتے ہیں " دعا عبادت ہے، صحابہ کرامؓ اور تابعین نے عبادت کو اللہ کے لئے خالص کر لیا تھا اور قبروں کے پاس انہوں نے دعا وغیرہ میں سے کچھ نہیں کیا"[٥٩]۔ اس کا جواب

(٥٧) اصول السنۃ ص ٩٣ -:- (٥٨) ایضاً ص ٦٠
(٥٩) [illegible]

دیتے ہوئے حضرت شیخ القرآن آف ڈاگئی نے لکھا "ان کی یہ بات کہ دعا عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدعت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دعا قبول ہونے کے لئے جگہیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک جگہ نبیؐ کے مزار کے پاس ہے اگر یہاں بھی دعا قبول نہ ہوں تو اور کون سی جگہ ہے"[60] شیخ القرآن آف ڈاگئی کا جواب دیتے ہوئے شارح البصائر لکھتے ہیں "میں کہتا ہوں کہ یہ دعویٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے پاس والی جگہ دعا قبول ہونے کی جگہ ہے بلا دلیل ہے لہٰذا اس کا باطل ہونا واضح ہے جیسا کہ اندھوں کے سردار ڈاگئی وال پر مخفی نہیں"[61] شیخ القرآن صاحب آف ڈاگئی نے اپنے دعوی کے ثبوت میں دلائل دیئے ہیں لیکن وہ اُن کے لئے قابل قبول نہیں ہیں البتہ میری دلیل ان کے لئے ضرور قابل قبول ہوگی۔ حضرت شیخ القرآن صاحب آف پنج پیر نے جہاں یہ لکھا ہے کہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ حضرات نے قبروں کے پاس دعا وغیرہ میں سے کچھ نہیں کیا ہے وہاں تچھلے صفحہ پر لکھا ہے "لو کان احدھم اذا سلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اراد الدعاء استقبل القبلۃ وجعل ظھرہ الی جدار القبر ثم دعا"[62] اگر صحابہ کرامؓ میں سے کوئی آپؐ پر سلام کہتا اور دعا کا ارادہ کرتا تو قبلہ رُخ ہو جاتا اور قبر کی دیوار کی طرف اپنی پُشت رکھتا پھر دعا مانگتا۔ ممکن ہے بعض قارئین کو یہ غلط فہمی ہو کہ دعا سے مراد دعا للمیت ہے لیکن یاد رہے کہ میّت کے لئے جو مسنون دعا پڑھی جاتی ہے اسی ہی کا نام سلام ہے مثلاً کوئی شخص کہتا ہے کہ اہل قبور پر سلام کہنا مسنون ہے تو اس سے مراد صرف السّلام علیکم نہیں بلکہ پوری دعا مراد ہوتا ہے۔ لہٰذا صحابہ کرامؓ سلام کے بعد جو دعا مانگتے تھے اس سے مراد وہ دعا ہے جو وہ اپنے لئے مانگتے تھے۔ یہ بات کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار اقدس قبولیت دعا کے لئے سب جگہوں سے زیادہ بہترین جگہ ہے خود شیخ القرآن صاحبؒ کے اقوال سے ثابت ہوتی ہے۔ ضیاء النور میں آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی

(۶۰) البصائر لمولانا شیخ القرآن محمد اللہ جان ص ۸۹
(۶۱) شرح البصائر صفحہ ۲۸۴
(۶۲) البصائر ۲۸۰

ہے کہ آپ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ لوگوں کو قرآن سکھا اور خود اس کو سیکھو پس اگر تو مر جائے اور تو اسی حالت میں ہو تو فرشتے تیری قبر کی ایسی زیارت کریں گے جیسا بیت اللہ شریف کی زیارت کی جاتی ہے۔ یعنی جس طرح ہر موسم میں ہر وقت لوگ بیت العتیق کی زیارت کے لئے آتے ہیں اسی طرح تیری قبر کے پاس ہر وقت فرشتے آتے رہے ہوں گے[۶۳]۔ اگر شیخ القرآن صاحب کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے تو کیا کوئی عقلمند مسلمان یہ تصوّر کر سکتا ہے کہ سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار فرشتوں کے نزول کی جگہ نہ ہو۔

اب اگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ فرشتوں کے نزول کی اصل جگہ تو مزار اقدس ہی ہے تو سنیئے خود شیخ القرآن صاحب اعتراف کرتے ہیں کہ جہاں ایک فرشتہ موجود ہوں وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرنے کا حکم دیا ہے لکھتے ہیں "حدیث الصیاح صحیح حدیث ہے جس میں کہا گیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مرغ کی اذان سنو تو اللہ سے فضل کی دعا مانگو اس لئے کہ اس نے فرشتہ دیکھ کر اذان دی ہے[۶۴]۔ اب جہاں ہزاروں لاکھوں فرشتے موجود ہوں کیا ان کی موجودگی میں دعا قبول ہونے کا زیادہ امکان نہیں ہے اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ کی اذان دیتے وقت دعا کا حکم دیا ہے تو علّت و معلول کا فہم رکھنے والا انسان ایسی سیدھی سادی بات کو سمجھنے سے قاصر رہ سکتا ہے؟۔ رہی یہ بات کہ دعا کرتے وقت قبر کی طرف منہ کرنا چاہیئے یا قبلہ رخ ہو کر دعا کرنی چاہیئے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف سے اصل مسئلہ پر فرق نہیں پڑتا۔ آپ یہ مانیئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس اللہ سے دعا مانگی جائے تو اس کے قبول ہونے کا زیادہ امکان ہے، پھر اس مسئلہ میں ہم آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں کہ دعا قبلہ رخ ہونی چاہیئے اس لئے کہ دعا تو اللہ سے مانگی جاتی ہے۔

(۶۳) ضیاء النور ص ۶۷
(۶۴) ضیاء النور ص ۱۸۹

باب سوم

حضرت مولانا گوہر رحمٰن صاحب

ولادت اور ابتدائی تعلیم

حضرت مولانا گوہر رحمٰن کی ولادت ایبٹ آباد کے ایک گاؤں قلندر آباد میں ہوئی تھی لیکن آپ کا بچپن، لڑکپن، اور جوانی کا ایک حصہ ضلع صوابی کے یار حسین نامی گاؤں میں گزرا۔ یہاں آپ نے مختلف علماء کرام سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔ ابتدائی کتابیں آپ نے جس عالم دین سے پڑھی تھیں وہ "ملیزو" مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے جو یار حسین کے محلہ جان خیل میں مختلف کتابیں پڑھاتے تھے۔ یہاں کے مقامی لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ دوران طالب علمی مطالعہ کے بڑے شوقین تھے۔ رات کے بیشتر حصوں میں جاگ کر لالٹین کی روشنی میں مطالعہ کرتے۔

انجمن اشاعت التوحید والسنۃ سے تعلق

ابتداء میں آپ شیخ القرآن آف پنج پیر کی تنظیم انجمن اشاعۃ التوحید والسنۃ سے متأثر تھے۔ آپ نے توحید و سُنّت کے احیاء کے لئے اِس تنظیم سے وابستہ ہو کر گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اِس دوران آپ نے توحید کی اہمیّت و افادیّت اور اس کے تقاضوں پر "جواہر التوحید" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ یہ آپ کی پہلی تصنیف ہے جس میں آپ نے بڑے دلنشین انداز میں اپنا مدّعا ظاہر کیا ہے۔

جماعت اسلامی میں شمولیت

ممتاز عالم دین، جماعتِ اسلامی ضلع مردان کا سابق امیر حضرت مولانا مختار گل صاحب اُس وقت یارحسین گاؤں میں واحد رُکنِ جماعت تھے جب مولانا گوہر رحمٰن توحید وسُنّت کی اشاعت کے لئے سرگرمِ عمل تھے۔ مولانا صاحب کو آپ کی ذہنی صلاحیتوں کا اندازہ ہوگیا تھا اور وہ جانتے تھے کہ اگر یہ شخص جماعت اسلامی سے وابستہ ہو جائے تو اسلام کی حقیقی اور بہترین خدمت کرسکیں گے۔ یہ آرزو لئے ہوئے آپ نے ان سے رابطہ کیا اور مولانا مودودیؒ کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پڑھنے کو دی۔ کتاب پڑھ کر آپ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ اصل توحید تو غیر اللہ کی حکومت کی نفی ہے۔ بعد میں آپ نے مولانا مودودیؒ کی شہرہ آفاق کتاب "الجہاد فی الاسلام" پڑھی تو دل و دماغ میں ہلچل مچ گئی اب آپ کا دلِ بیتاب اشاعت توحید وسُنت کے ساتھ ساتھ نفاذ توحید وسُنت کے لئے بھی تڑپنے لگا چنانچہ آپ نے جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم سے توحید وسُنت کا بول بالا کرنے کی جدو جہد کا فیصلہ کیا ۱۹۶۲ء میں آپ جماعت اسلامی کا باقاعدہ رکن بن گئے اور اُسی سال مرکزی شوریٰ کا رُکن بھی منتخب ہو گئے۔

درس و تدریس کا سلسلہ

جماعت اسلامی میں شمولیت سے پہلے آپ نے یارحسین میں درس قرآن کا جو سلسلہ جاری کیا تھا اُسے جاری رکھا۔ بعد میں آپ مردان منتقل ہوئے اور وہاں بھی یہ سلسلہ جاری رہا جس مسجد میں آپ درس قرآن دیا کرتے تھے رفتہ رفتہ اس نے مدرسہ کی شکل اختیار کی اب دور دور سے طلباء درس قرآن سننے آتے اور استفادہ کرتے تھے اِس کے ساتھ ساتھ آپ نے صحاحِ ستّہ کا درس دینا بھی شروع کیا۔

شیخ القرآن والحدیث

حضرت مولانا گوہر رحمٰن حقیقی معنوں میں شیخ القرآن بھی تھے اور شیخ الحدیث بھی۔ حقیقی کا لفظ میں اِس لئے استعمال کرتا ہوں کہ ہمارے ہاں ہروہ شخص

جو قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر کر سکتا ہو شیخ القرآن کہلاتا ہے لیکن در حقیقت شیخ القرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ فنِ علوم القرآن کا ماہر ہو، ناسخ و منسوخ کا علم رکھتا ہو، قرآن کی فنی تعریف، نزولِ قرآن کی کیفیت، قرآن کی ترتیب و تدوین، قرآن کا اعجاز، تفسیر کے لئے اہلیت کی شرائط اور محکم و متشابہ کی حقیقت سے واقف ہو۔ حسن بصریؒ کے نزدیک شیخ القرآن کے لئے جدید علوم سے واقفیت بھی لازمی امر ہے۔ دیکھا جائے تو اس معیار پر چند گنے چنے لوگ اُتر سکتے ہیں۔ اِن گنے چنے لوگوں میں مولانا موصوف بہت زیادہ ہی نمایاں ہیں۔ دو جلدوں پر مشتمل ان کی تصنیف "علوم القرآن" اس دعویٰ کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ اِسی طور پر شیخ الحدیث بھی وہ نہیں جو صرف صحاح کی احادیث کی تشریح پر قادر ہو بلکہ اِس کے لئے بھی فنِ علوم الحدیث سے واقفیت ضروری ہے۔ حضرت مولانا گوہر رحمٰن اِس میدان میں بھی سب سے آگے ہیں۔ آپ کی کتابوں کے مطالعہ سے اس راز کا انکشاف ہو جاتا ہے کہ آپ فنِ اسماء الرجال کا ماہر تھے اور احادیث سے متعلق سارے علوم پر دسترس رکھتے تھے۔

مولانا مودودیؒ سے اختلاف

مسلمانوں کے علمی زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ دینی مدارس میں جو طریقہ تدریس رائج ہے یہ کلّی طور پر وہ نہیں جو ہمارے اَسلاف کا طریقہ تھا۔ یہاں حال یہ ہے کہ اُستاد پر ایک خاص فرقہ کی چھاپ لگی ہوئی ہوتی ہے، وہ قرآن پڑھاتا ہے یا حدیث و فقہ کی کوئی کتاب پڑھاتا ہے۔ ساتھ ساتھ وہ ضروری سمجھتا ہے کہ اپنے فرقہ کا پرچار بھی کرے اور مخالفین کو دائرہ اِسلام سے خارج یا کم از کم بدعتی اور فاسق و فاجر قرار دے۔ یہ حضرات اپنے شاگردوں میں تحقیق کی صلاحیت پیدا ہونا نہیں دیتے۔ شاگرد کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اُستاد ہر لحاظ سے کامل و اکمل ہے جس سے اختلاف کرنا جرم ہے یہی وجہ ہے کہ جب یہ شاگرد فارغ ہو جاتے ہیں تو ان کے پیشِ نظر اِسلام کی سب سے بڑی خدمت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے استاد کے فرقہ کو حق اور اس کے مخالفین کے فرقوں کو باطل ثابت کرے۔

اِس کے برعکس ہمارے اَسلاف کا طریقۂ تدریس یہ تھا کہ وہ مسلکوں سے بالاتر ہو کر درس دیتے تھے اور شاگردوں کو فارغ ہونے کے بعد بھی پتہ نہ لگتا کہ ان کا اُستاد کس مسلک سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ امام مسلم اور ابن ماجہ کے بارے میں ابھی تک معلوم نہ ہو سکا ہے کہ وہ کس مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس بارے فقیہہ اُمّت حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ لکھتے ہیں۔

> جان لو کہ امام بخاری یقیناً مجتہد تھے اور یہ جو مشہور ہے کہ وہ شافعی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ چند مشہور مسائل میں آپ امام شافعی کے موافق ہیں حالانکہ جن مسائل میں آپ امام اعظم کے موافق ہیں ان کی تعداد اُن مسائل سے کم نہیں ہے جن میں آپ امام شافعی کے موافق ہیں اور یہ کہ آپ حمیدی کے شاگرد تھے اس لئے آپ شافعی المسلک بھی ہو گئے تو یہ بات بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ آپ اسحٰق بن راہویہ کے بھی شاگرد تھے جو حنفی تھے۔ ۔ ۔ ۔ امام ترمذی شافعی ہیں انہوں نے شافعی کی مخالفت صرف ایک مسئلہ میں کیا ہے جو مسئلہ ابراد ہے۔ امام نسائی اور امام ابوداؤد کے بارے میں ابن تیمیہ نے تصریح کی ہے کہ وہ حنبلی تھے لیکن دوسرے علماء نے کہا کہ وہ شافعی ہیں۔ امام مسلم اور ابن ماجہ کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کس مسلک کے پیروکار تھے۔[1]

شاہ صاحب کی اِس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنے شاگردوں کو اپنے پسندیدہ مسلک کا پیروکار بننے پر مجبور کرنا نہیں چاہتے تھے، بلکہ ان کو زیورِ علم سے آراستہ کرکے اپنی مرضی پر چھوڑتے۔ یہ بات کہ اُستاد کے ساتھ اختلافِ رائے جُرم ہے ہمارے اسلاف کا ذہن اِس تصوّر سے خالی تھا۔ اساتذہ اپنی رائے شاگردوں کے سامنے بیان کرتے اور اِس پر مل کر بحث کرتے۔ شاگرد دلائل کے ساتھ اس کی موافقت یا مخالفت کرتے اور اگر شاگردوں کے دلائل وزن دار ہوتے تو استاد اپنی رائے سے رجوع

(۱) فیض الباری ج ۱ ص ۵۸

کرتا امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی طریقہ تھا۔ مصری عالم دین محمد ابوزھرہؒ لکھتے ہیں۔

> وہ (امام ابوحنیفہ) ایک مسئلہ کو لیتے اور تلامذہ سے اس کے متعلق دریافت کرتے پھر بحث و مباحثہ ہوتا اور ہر ایک اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتا۔ اجتہادی مسائل میں بعض اوقات تلامذہ کامیاب رہتے جیسا کہ امام محمد سے مروی ہے اور امام صاحب پر اعتراضات کی اس قدر بوچھاڑ ہوتی کہ مجلس میں ایک ہنگامہ سا بپا ہو جاتا۔ پھر جب اس مسئلہ کے تمام گوشے سامنے آجاتے تو آخر میں امام صاحب اس مذاکرہ پر فیصلہ دیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار فرماتے جسے سب پسند کرتے اس طرز دراست سے اُستاد اور شاگرد دونوں یکساں طور پر مستفید ہوتے۔[۲]

اَسلاف، خصوصاً امام ابوحنیفہؒ کی یہ سُنّت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے پھر سے تازہ کردی۔ آپ نے تاسیس جماعتِ اسلامی کے موقع پر ارکانِ جماعت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

> جو لوگ علم رکھتے ہوں وہ اپنی تحقیق پر اور جو علم نہ رکھتے ہوں وہ جس کے علم پر اعتماد رکھتے ہوں اس کی تحقیق پر عمل کریں، نیز ان معاملات میں مجھ سے اختلاف رائے رکھنے اور اپنی رائے کا اظہار کرنے میں بھی سب آزاد ہیں۔ ہم سب جزئیات و فروع میں اختلاف رائے رکھتے ہوئے اور ایک دوسرے کے بالمقابل بحث و استدلال کرتے ہوئے بھی ایک جماعت بن کر رہ سکتے ہیں جس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔[۳]

چنانچہ بعض مسائل میں آپ سے اختلاف رکھنے والے علماء بھی جماعتِ اسلامی میں شامل رہے اور نفاذ شریعت کے لئے آپ کی قیادت میں سرگرم عمل رہے۔ اِن علماءِ کرامؒ کی فہرست میں مولانا گوہر رحمٰن صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ آپ تفسیر، حدیث اور فقہ کے بہت سارے مسائل

(۲) امام ابوحنیفہؒ، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز لاہور ص ۱۴۲-۱۴۵
(۳) روداد جماعت اسلامی حصہ اوّل ص ۳۵

میں مولاناؒ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ دورۂ تفسیر اور دورۂ حدیث میں آپ طلباء کے سامنے ان اختلافات کا برملا اظہار کرتے اور دلائل کی بنیاد پر اپنی رائے کو راجح ثابت کرنے کی کوشش کرتے۔ آپ کی کتاب "تفہیم المسائل" میں بھی ان اختلافات کا ذکر ملتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

میں نے یہ التزام نہیں کیا کہ آیات کی تفسیر و تاویل میں یا فقہی مسائل کی تحقیق و تنقیح میں مولانا مودودیؒ کی ہر بات سے اتفاق کروں گا اور اس کی تائید کروں گا حالانکہ میں جماعت اسلامی کا رکن ہوں۔ ۹ سال تک امیر صوبہ رہا ہوں اور ۱۹۶۳ء سے لے کر آج تک جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کا رکن ہوں اور مولانا مودودیؒ کے ساتھ ان کے علم، اخلاص اور دعوت دین واقامت دین کے لئے ان کی جہود و مساعی کی وجہ سے بے حد محبت بھی رکھتا ہوں اور یہ التزام مجھ پر نہ شریعت نے لازم کیا ہے اور نہ جماعت اسلامی کے نظم نے لازم کیا ہے البتہ جماعت کے تنظیمی فیصلوں کی پابندی ہر رکن پر لازم ہے۔ بعض آیات کی تاویل اور بعض فقہی مسائل میں مولانا مودودیؒ کی رائے سے میرا اختلاف میری کتاب تفہیم المسائل حصہ سوم و چہارم میں بھی دیکھا جا سکتا ہے اور دورۂ تفسیر فی المنصورہ اور فی المردان دونوں میں سینکڑوں طلبہ کے سامنے اس کا اظہار بھی کرتا رہا ہوں مگر دوسرے فرقہ وارانہ تنظیموں اور فرقہ وارانہ مدارس میں ایسا کبھی نہیں ہوتا بلکہ اپنے اکابر سے علمی اختلاف بھی ان کی بے ادبی سمجھی جاتی ہے اور اسے اس فرقے سے خروج کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ مگر جماعت اسلامی فرقہ نہیں ہے اور فرقہ بننے سے اللہ کی پناہ مانگتی ہے۔(۱)

حضرت شیخ القرآن والحدیث نے جو کچھ فرمایا کوئی صاحب بصیرت عقلمند اس سے انکار

(۱) علوم القرآن۔ مکتبہ تفہیم القرآن مردان ج ۳ ص ۶۳۹

نہیں کرسکتا۔ اپنے اُستاد کے ساتھ اختلاف تو بہت بڑی بات ہے اگر اُستاد کی کوئی بات قرآن و سُنت کے خلاف نظر آبھی جائے تو اس پر چشم پوشی کی جاتی ہے۔ دراصل وہ سمجھتے ہیں کہ اگر اُستاد کی بات غلط ثابت ہو جائے تو یہ اس کی بے عزتی ہوگی حالانکہ اُستاد تو اُستاد ہوتا ہے اس کی عزت اس سے داغدار نہیں ہوتی۔

مولانا مودودیؒ کے اُساتذہ

بعض عقل کے کورے مولانا مودودیؒ کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ آپ کا اُستاد نہیں ہے۔ عقل کا کورا میں اس لئے کہتا ہوں کہ ایسا کہہ کر وہ مولاناؒ کو اس مقام تک پہنچاتے ہیں جہاں تک صرف آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی حاصل تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ اعزاز صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے جو اُستاد کے بغیر علوم کے بحرِ ذخار تھے۔ اَب چھوٹا مُلّا ہے یا بڑا وہ نہ خود یہ دعویٰ کرسکتا ہے نہ دوسرا اس کے بارے میں بہ ہوش و حواس کہہ سکتا ہے کہ اس نے بغیر اُستاد کے سیکھا ہے مولانا مودودیؒ کے سامنے ایسی بات کہی جاتی تو آپ مسکرا کر فرماتے "آپ بھی اُن سے کہئیے کہ بڑا نالائق ہے، کچھ نہیں جانتا۔ پڑھا لکھا نہیں ہے اگر ان باتوں سے وہ خوش ہوتے ہیں تو انہیں خوش ہونے دیں"۔ جماعتِ اسلامی کے دوسرے افراد نے بھی ایسی بے تُکی بات کو کچھ اہمیت نہیں دی لیکن حضرت شیخ القرآن والحدیث نے اپنی کتاب علوم القرآن میں آپ کے مختلف اَساتذہ کا بالتفصیل تذکرہ کیا ہے۔

شیخ القرآن والحدیث کی تصنیفات

حضرت شیخ مولانا گوہر رحمٰن معروف ترین شخصیت تھے۔ آپ مدرسہ تفہیم القرآن مردان کا مہتمم بھی تھے اور یہاں بُخاری کا درس بھی دیتے تھے۔ رمضان المبارک میں قرآن کریم کی تفسیر پڑھاتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ جماعتِ اسلامی کے جلسوں اور اجتماعات میں بھی شرکت فرماتے تھے اور عام لوگ بھی مختلف دینی تقریبات کو رونق بخشنے کے لئے آپ کو دعوت دیتے آپ اِدارہ تفہیم الاسلام کا سربراہ بھی تھے جو ایک قسم کا دارالافتاء تھا۔ ان ساری

مصروفیات کے باوجود آپ نے تصنیف و تالیف پر بھی توجہ مرکوز رکھی اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق گرانقدر کتابیں لکھیں۔ یہ سہرا حضرت مولانا مختار گل صاحب یار حسینی کے سر ہے جنہوں نے آپ کے بارے میں صحیح اندازہ لگایا تھا اگر آپ انجمن میں ہوتے تو آپ کا دائرۂ تحقیق تنگ ہوتا۔ عالمی تحریکِ اسلامی سے وابستہ ہو کر آپ کی فکر و نظر میں وسعت پیدا ہوگئی۔ آپ پہلے ہی سے مؤحد اور توحید کا عاشق تھے لیکن توحید کے صحیح اور حقیقی تقاضوں سے آپ اس وقت آگاہ ہوئے جب آپ نے مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کے دوسرے اکابرین کی کتابیں پڑھیں۔ پہلے آپ کے نزدیک توحید یہ تھی کہ عالم الغیب، کارساز اور حاجت روا اللہ ہی کو مانا جائے اور ان صفات میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے لیکن مولانا مودودیؒ کی کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" پڑھ کر آپ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ توحید کا ایک اہم اور بنیادی تقاضا یہ بھی ہے کہ غیر اللہ کی حاکمیت سے انکار کر کے اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کیا جائے۔ مولانا مودودیؒ نے قرآنی آیات کی روشنی میں اِس نکتہ کی خوب وضاحت کی ہے۔ دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنی ربوبیت کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ جو لوگ قرآن و سنت پر اپنے جھگڑوں اور معاملات کے فیصلے نہیں کرتے وہ مومن نہیں ہیں۔ توحید کا یہ تقاضا چھوڑ کر مذکورہ بالا تقاضوں کا آپ پرچار کریں گے تو زیادہ سے زیادہ چند جاہل گدی نشین آپ کی مخالفت پر اتر آئیں گے لیکن یہ آخری تقاضا بیان کر کے گویا آپ جدید فرعونوں، نمرودوں اور شدادوں کو دعوتِ مبارزت دیتے ہیں۔ دعوت توحیدِ کامل کی یہ راہ کانٹوں سے اَٹا پڑا ہے۔ اِس راہ میں شعبِ ابی طالب کی طرح قید و بند کی صعوبتوں کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے، اور بدر و حنین کے مراحل سے گزرنا بھی پڑتا ہے حضرت شیخ مولانا گوہر رحمٰن نے توحیدِ کامل کی دعوت کی اِس راہ کا انتخاب کیا اور یہی دین کا تقاضا تھا۔ اللہ کے لئے علم غیب، اس کی کارسازی اور حاجت روائی کے ساتھ ساتھ

اب مولانا رحؒ اللہ کی حاکمیّت کی بات بھی کرتا تو توحید کا لُطف محسوس کرتا۔ یہ ساری باتیں آپ اُن کی تصنیفات میں پڑھ سکتے ہیں۔ اب ہم ان کی چند تصانیف کا ذکر کرتے ہیں۔

اسلامی سیاست:۔ ۴۱۶ صفحات پر مشتمل اِس کتاب میں حضرت شیخ القرآن والحدیث نے لادین سیاست اور اِسلامی سیاست کا فرق واضح کیا ہے اور بتا دیا ہے کہ اِسلامی سیاست دینِ اِسلام کا ایک باب اور اہم ترین شعبہ ہے۔ آپ اُمّت کی اِصلاح کے لئے صالح حکمرانوں کی تقرری کو لازمی قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے اُحادیث سے اِستدلال کرتے ہیں مثلاً صحیح بخاری کی یہ روایت نقل کرتے ہیں "قبیلہ اَحمَس کی ایک عورت جو زینب کہلاتی تھی نے ابوبکرؓ سے پوچھا جاہلیّت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہماری حالت میں جو اصلاح فرمائی ہے اِس اچھی حالت میں ہم کب تک رہیں گے؟ ابوبکرؓ نے فرمایا جب تک تمہارے حکمران راہِ راست پر قایم رہیں گے اِس وقت تک تم اِس اَچھی حالت پر باقی رہو گے"۔ اِس قسم کی تیسؔ روایات نقل کرنے کے بعد آپ لکھتے ہیں "قرآن کریم کی پانچ آیات اور تیسؔ روایات سے یہی ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام واجب ہے اگر مسلمانوں کا کوئی سیاسی قائد موجود نہ ہو تو اس کا تقرر اُن پر شرعاً فرض ہے ورنہ وہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ فقہاءِ اسلام نے اِنہی آیات واَحادیث کی بنا پر "نصبِ امام" یعنی اِسلامی حکومت کے قیام اور تقررِ خلیفہ کو واجب کہا ہے"۔ اس کے بعد اُنہوں نے دسؔ فقہاءِ کرام کے اقوال پیش کئے ہیں۔ جن میں سے ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ" حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

" حکومتِ اسلامیہ دین کا بلند ترین فرض اور واجب ہے بلکہ اس کے بغیر دین قایم ہی نہیں ہو سکتا حضرت مجدّد الف ثانیؒ فرماتے ہیں "اِس جہاں میں حکمران کا وہی مقام ہے جو جسم میں دل کا مقام ہے اگر دل کی حالت درست ہو تو جسم بھی درست اور تندرست

ہوتا ہے اور اگر دل کی حالت خراب ہے تو جسم کی حالت بھی خراب ہوجاتی ہے۔ حکمران کی نیکی سارے جہاں کی نیکی ہے اور حکمران کا بگاڑ سارے جہاں کا بگاڑ ہے" شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رقمطراز ہیں " قیامت تک مسلمانوں پر فرض کفایہ ہے کہ ایسے خلیفہ کا تقرر کریں جس کے اندر خلافت کی شرائط موجود ہوں" اس قسم کے ثبات اور حوالے بھی کتاب میں درج ہیں اس کے بعد شیخ القرآن والحدیث لکھتے ہیں "یہ دس حوالے جو عشرۃ کاملہ کی حیثیت رکھتے ہیں بطور نمونہ نقل کئے گئے ہیں۔ ورنہ فقہ اور حدیث وتفسیر کی شائد ہی کوئی کتاب ہو جس کے اندر " نصب امام " کا وجوب اور اس کی ضرورت واہمیت بیان نہ کی گئی ہو"

حرمتِ سود :- یہ کتاب بھی آپ کی گرانقدر تصنیفات میں سے ہے ۔ یہ دراصل وفاقی شرعی عدالت کے سوالنامے کا جواب ہے آپ نے بڑی مہارت کے ساتھ سارے سوالات کے مدلل جوابات دیئے ہیں اس کتاب پر دیباچہ ڈائریکٹر معارف اسلامی جناب محمد اسلم سلیمی صاحب نے لکھا ہے لکھتے ہیں "ملک کے نامور فقیہ اور شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا گوہرالرحمٰن صاحب صدر مدرس و مہتمم مدرسہ تفہیم القرآن مردان نے اس سوالنامے کا نہایت وقیع اور تحقیقی جواب دیا تھا اور قرآن وسُنت اور فقہ کی روشنی میں تمام سوالات کے شافی اور مدلل جوابات مرتب کردیئے تھے" آخر میں رقمطراز ہیں ۔ " حضرت مولانا گوہرالرحمان صاحب کے ان مدلل اور تحقیقی جوابات کو ادارہ معارف اسلامی نے جنوری ۱۹۹۳ء میں کتابی شکل میں شائع کردیا تھا۔ اب اس کا دوسرا ایڈیشن دیدہ زیب ٹائیٹل کے ساتھ پیش خدمت ہے"

نفاذ شریعت اور اتحاد ملت یہ کتاب پہلی بار مکتبہ تفہیم القرآن مردان نے اکتوبر ۲۰۰۰ء میں شائع کی ہے۔ مولانا اشتیاق حسین صاحب صوابی نے اس کی خوبصورت کمپوزنگ کی ہے۔ اس کا دیباچہ مولانا موصوف نے خود لکھا ہے۔

(۲) اسلامی سیاست " ادارہ معارف اسلامی منصورہ لاہور ص ۱۳۸-۹

اِس کتاب میں وہ مسودہ قانون بھی شامل ہے جو آپ نے مالاکنڈ ڈویژن میں نفاذ شریعت کے لئے مرتب کیا تھا۔ آخری باب پنجم میں آپ نے نفاذ شریعت کے لئے اتحاد امت کی ضرورت کا احساس دلایا ہے۔

تفہیم المسائل :۔ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ شیخ القرآن والحدیث مختلف مسائل کے بارے میں آئے ہوئے استفسارات کے جوابات بھی دیتے رہتے تھے۔ جوابات پر مشتمل یہ مجموعے چھ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ پہلی جلد ۱۹۹۳ء میں طبع ہوئی تھی۔ بعد میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ جدید مسائل سے تعلق رکھنے والے پیچیدہ سوالات کے جوابات آپ نے جس عرق ریزی کے ساتھ دیئے ہیں اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دریائے علم میں غوطہ زن ہو کر موتیاں نکالنے میں آپ کو کس قدر مہارت حاصل ہے۔

علوم القرآن :۔ مکتبہ تفہیم القرآن مردان کی شائع کردہ یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے جو پہلی بار اگست ۲۰۰۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ حضرت شیخ رحؒ کی آخری تصنیف ہے جو آپ کی ساری زندگی کے مطالعہ کا نچوڑ ہے۔ اِس کتاب میں آپ نے قرآن سے متعلق تمام علوم پر ماہرانہ بحث کی ہے۔ آخر میں باب دہم میں آپ نے مدوّن تفاسیر اور مفسرین حضرات کا تعارف کیا ہے۔ آپ نے تینتیس ۳۳ عربی تفاسیر اور تین ۳ اردو تفاسیر پر تبصرہ کیا ہے۔ باب کے آخر میں آپ نے مولانا مودودیؒ کا تعارف کرایا ہے اور بتا دیا ہے کہ آپ کا خاندان اولیاء کرامؒ اور بزرگانِ دین کا خاندان ہے جو بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان اساتذہ کرامؒ کا ذکر کیا ہے جن سے مولاناؒ نے مختلف دینی کتابیں پڑھی تھیں۔ پھر آپ نے تفہیم القرآن کا تعارف کرایا ہے اور اس میں قرآن کریم کی سورتوں کے دیباچوں کی بڑی اہمیّت و افادیّت بیان کی ہے آپ کی رائے ہے کہ تفہیم القرآن میں

اہل سُنت کے مسلّمہ اصول کا لحاظ رکھا گیا ہے فرماتے ہیں " اس کتاب کے باب ہشتم میں اہل سُنت والجماعت کے متفقہ و مسلّمہ جو اصول تفسیر بیان کئے گئے ہیں تفسیر القرآن میں ان اصول کو ملحوظ رکھا گیا ہے بلکہ ان کا التزام کیا گیا ہے اور متجدّدین کی بدعت سے اجتناب کیا گیا ہے " حضرت شیخ ؒ کی یہ کتاب قرآنی علوم کے ساتھ شغف رکھنے والوں کے لئے بڑی مفید ثابت ہوگی۔ اِن کتابوں کے علاوہ ان کی بہت ساری کتابیں اور بھی ہیں مثلاً حقیقتِ توحید و سُنت۔ حرمتِ سود پر عدالتی بیانات۔ اجتہاد وتقلید اور امام ابو حنیفہ ؒ کے فقہی اصول ،۔ عورت کی دیت شرعی دلائل کی روشنی میں۔ عورت کی حکمرانی قرآن و سُنت کی روشنی میں۔ تصویر سازی اور فوٹو گرافی کی شرعی حیثیت و شبہات کا ازالہ۔

تقویٰ و دیانت :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ علم خوفِ خدا کا نام ہے اس لحاظ سے بھی حضرت شیخ ؒ کی شان نرالی ہے۔ آپ مستحبات تک پر عمل کرتے اور جن منکرات کو معمولی سمجھ لیا گیا ہے اُن سے بھی احتراز کرتے مثلاً فوٹو گرافی کی وباء ایسی عام ہو چکی ہے کہ اس کو جُرم ہی نہیں سمجھا جاتا بڑے بڑے علماء بھی انتخابات کے دوران قدآور تصاویر کی نمائش میں قباحت محسوس نہیں کرتے۔ آپ نے کئی انتخابات لڑے ہیں اور دو دفعہ قومی اسمبلی کا ممبر منتخب ہو چکے ہیں لیکن انتخابی پوسٹر پر چھوٹی سی تصویر کی اشاعت بھی گوارا نہ کی۔ حالیہ انتخابات میں آپ کا فرزند ارجمند ڈاکٹر مولانا عطاء الرحمان صاحب قومی اسمبلی کا امیدوار تھے اس کو بھی سختی کے ساتھ فوٹو کی تشہیر نہ کرنے کی ہدایت کی تھی جس پر وہ عمل پیرا رہے اور بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ انتخابات کے موقعہ پر ایک شخص آیا اور کہا کہ میں نے ایک ووٹ آپ کے حق میں ڈالا ہے۔ دوسرے وارڈ میں بھی میرا ووٹ ہے اُسے بھی اب پول کرنے جاتا ہوں مولانا ؒ نے کہا میں آپ کے اس عمل سے بَری ہوں۔ آپ اپنے ووٹروں سے کہا کرتے تھے

کہ اگر آپ کو یقین ہو جائے کہ میں ایک جعلی ووٹ سے منتخب ہو سکتا ہوں تو کوئی شخص مجھے پاس کرانے کی خاطر جعلی ووٹ ڈال کر گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔

فصاحت و بلاغت :۔ حضرت شیخ القرآن والحدیث کو اللہ تعالیٰ نے فصاحت و بلاغت کی نعمت سے خاص طور پر نوازا تھا مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے انداز میں بیان کر دیتے کہ عالم اور عامی دونوں مطمئن ہو جاتے۔ اعتراض کرنے والا اعتراض کرتا یا سوال کرنے والا سوال پوچھتا آپ ایسا جواب دیتے جس کے بعد دوسرے سوال کی ضرورت پیش نہ آتی۔ ایک دفعہ یار حسین میں ایک اجتماع کے موقعہ پر آپ نے تقریر کی۔ اس وقت آپ قومی اسمبلی کا ممبر تھے ایک شخص نے اُٹھ کر اعتراض کیا کہ آپ عالم دین ہیں تقویٰ دار انسان ہیں لیکن اس کے باوجود آپ نے ناپاک پارلیمنٹ میں بیٹھنے کو پسند کیا۔ آپ نے کہا۔ پاکستان کی پارلیمنٹ فرعون کے دربار سے زیادہ ناپاک نہیں اور میں موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عالم اور تقویٰ دار نہیں۔

وفات :۔ جنوری ۲۰۰۲ء میں آپ پر دمہ اور وجع الساقین کا شدید حملہ ہوا اور آواز بھی بند ہو گئی لیکن علاج کے بعد صحت پھر بحال ہو گئی تاہم کمزوری برقرار رہی۔ ۱۸ مارچ ۲۰۰۳ء کو آپ اپنی لائبریری میں بعض راویوں کے مطابق بخاری شریف کا مقدمہ لکھ رہے تھے کہ حالت غیر ہو گئی اور منٹوں میں آواز بھی ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی اور قلم بھی رُک گیا تاہم آپ نے جو کچھ لکھ کر چھوڑا ہے وہ اُمت مسلمہ کی رہنمائی کے لئے کافی ہے۔ ۱۹ مارچ کو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں ہر مکتبہ فکر کے علماء نے شرکت کی گورنر صوبہ سرحد افتخار حسین شاہ۔ وزیر اعلیٰ اکرم درانی اور دوسرے وزراء بھی شریک رہے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

باب چہارم

حضرت شیخ القرآن مولانا حمد اللہ جان آف ڈاگئی

حضرت مولانا حمد اللہ جان صاحب ضلع صوابی کے ڈاگئی نامی گاؤں، جو یار حسین سے مشرق کی طرف واقع ہے، میں پیدا ہوئے آپ کا شمار نامی گرامی علماء میں ہوتا ہے۔ افغانستان اور بلوچستان کے بیشتر علماء آپ کے شاگرد ہیں۔ آپ کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ آپ مختلف علوم کے مجمع البحار ہیں۔ آپ شیخ القرآن والحدیث بھی ہیں، شیخ الفقہ بھی اور شیخ الادب بھی ہیں۔ منطق و فلسفہ کے علوم میں بھی مہارت حاصل ہے۔ فقہی مسائل میں مہارت کا اعتراف آپ کے مخالفین بھی کرتے ہیں۔ عربی، فارسی، اُردو اور پشتو کے ہزاروں اشعار آپ کو زبانی یاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلا کا حافظہ دیا ہے۔ عربی زبان بولتے ہیں تو یقین نہیں آتا کہ آپ ملک عجم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی حال فارسی زبان کا بھی ہے۔ جن لوگوں نے آپ کا درسِ قرآن سُنا ہے وہ جانتے ہیں آپ علوم القرآن کا کیسا ماہر ہے۔ جن لوگوں نے درسِ بخاری سُنا ہے وہ یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ آپ علوم الحدیث کا بحرِ ذخّار ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کے فقہی مباحث سنے ہیں وہ آپ کی فقاہت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں رہا علم منطق و فلسفہ تو اس میں آپ کی برابری موجودہ دور میں کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ دورِ حاضر کے علماء کے درمیان ان کا مقام اِس لحاظ سے بھی بہت بڑا بلند ہے کہ آپ کمال درجہ کا تقویٰ دار انسان ہیں۔ سورۂ فرقان میں عباد الرحمٰن

کی جو صفات بیان کی گئی ہیں وہ سب آپ میں موجود ہیں۔ آپ دن کو درس و تدریس میں مصروف رہتے ہیں اور رات کو اپنے ربّ کے حضور سربسجود ہوتے ہیں۔ جاہلوں کی نازیبا باتوں کے جواب میں سلام کہتے ہیں۔ آپ تصنّع و تکلّف سے بالکل پاک ہیں۔ سادگی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اسلاف سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور اسلاف ہی کے منہج پر قرآن و حدیث پڑھاتے ہیں۔ آپ دارالعلوم مظہر العلوم ڈاگئی کا بانی ہیں جہاں آپ کی زیرِ نگرانی مختلف علوم پڑھائے جاتے ہیں عقیدۂ توحید پر آپ کا پختہ یقین ہے جس کا ذکر آپ کی کتابوں البصائر میں وغیرہ ملتا ہے، البتہ مسئلہ توسّل میں آپ اکابرین دیوبند کے ہمنوا ہیں۔ حضرت شیخ القرآن آف پنج پیر نے "البصائر للمتوسلین بالمقابر" نامی کتاب لکھی تو آنجناب نے اس کے جواب میں البصائر ہی کے نام سے کتاب لکھی جس میں علمی انداز پر مسئلہ توسّل کی تنقیح کی اور مدلّل انداز میں حضرت شیخ آف پنج پیر کے اُٹھائے ہوئے سوالات اور نکات کے جوابات دیئے۔ حضرت شیخ آف پنج پیر اور حضرت شیخ آف ڈاگئی دونوں کی یہ کتابیں پڑھنے کی لائق ہیں۔ دونوں نے بڑے شریفانہ اور علمی انداز میں اپنی اپنی آراء کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو لائقِ ستائش ہیں اور یہی بات علماء کی شایانِ شان ہے لیکن بعد میں آپ دونوں کے شاگرد اِس اعلیٰ معیار پر قائم نہ رہ سکے۔ حضرت شیخ آف پنج پیر کے ایک شاگرد مولوی خان بادشاہ نے تو شیخ القرآن آف ڈاگئی کے اُستاد شیخ الحدیث مولانا ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کو بھی معاف نہیں کیا چند نمونے ملاحظہ کیجئے "ایک مغفّل تبلیغی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ولی اللہ کے لئے ہاتھ نکالا جب اس نے اس کا مطالبہ کیا اُس تبلیغی کی کتاب فضائل الحج میں بہت ساری خرافات دیکھیئے"[1] دوسری جگہ مولانا ذکریا اور سرفراز خان صاحب کو مشورہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں "ان پر لازم ہے کہ ان شرکیات، واہیات، باطل عقائد اور شیطانی وساوس سے باز آجائیں"[2] آگے لکھتے ہیں "اِس مبلّغ کے پیروکاروں کے عقائد کا کیا ہوگا اس

(۱) الصواعق المرسلة ص ۱۲۶
(۲) ایضاً ص ۱۶۲

کا خود یہ حال ہے تو پیروکاروں کا کیا حال ہوگا"[3]۔ اِس تبلیغی نے چالیس خرافات لکھے ہیں جن کا اَدِلّہ شرعیہ میں کوئی وجود نہیں اور سارے کفری کلمات ہیں"[4]۔ پھر شیخ الحدیث صاحب کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں " فضائل حج کے مؤلف اِس تبلیغی کو چاہیئے کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں کا مطالعہ کرے تاکہ مذموم و مخذول نہ ہوں"[5]۔ اس بڑے تبلیغی نے اس کتاب الحج کے ساتھ لوگوں کو گمراہ کیا ہے ..... سوچ لو بعض تبلیغیوں کے قول سے دھوکہ مت کھا یہ تبلیغی صحیح اور ضعیف کی تمیز نہیں کرسکتے بلکہ موضوع حدیث کی تمیز بھی نہیں کرسکتے میں نے اِس تبلیغی کی ایک اور کتاب بھی پڑھی ہے وہ بھی ضعیف احادیث پر مشتمل ہے وہ غث وسمین اور شمال ویمین کو بھی نہیں جانتا"[6]۔ یہ ریمارکس اِس ہستی کے بارے میں ہیں جو ہزاروں محدثین کے اسناد ہیں اور جن کی کتابوں سے بڑے بڑے علماء استفادہ کرتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالہادیؒ المعروف بہ شاہ منصور باباجی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں " عبدالہادی شاہ منصوری نے جمہور ائمہ مجتہدین بلکہ صحابہ و تابعین کی مخالفت کی ہے لیکن اس کے باوجود بعض جاہل اس کو شیخ القرآن کہتے ہیں۔ اِس زمانہ میں اِس بدعتی فرقہ کا کیا کہئے نہ حدیث کی تشریح کرسکتے ہیں نہ قرآن کی تفسیر"۔ یہ اقتباسات میں نے اِس کتاب سے لی ہیں جس کا نام ہے " الصواعق المرسلۃ علی الملا الداجوی"۔ نام سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ کتاب دراصل مولانا حمداللہ جان صاحب داجوی پر سبّ و شتم کے لئے لکھی گئی ہے۔ حضرت مولانا ذکریاؒ اور شاہ منصور باباجیؒ صاحب تو لوں درمیان میں آگئے۔ ذرا سوچئے مولانا موصوف کو کیسی غلیظ گالیاں دی گئی ہوں گی۔ لیکن مولانا موصوف کی شرافت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے کبھی بھی گالی کا جواب گالی سے نہیں دیا ہے۔

(۳) ایضاً : ۹۱
(۴) ایضاً
(۵) ایضاً ص ۸۶
(۶) ایضاً ص ۱۳۴

شیخ القرآن آف ڈاگئی کا عقیدۂ توحید

ہمارے ہاں بد قسمتی سے تنقید کے آداب وحدود کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ اپنے حریف کی صحیح بات کو غلط ثابت کرنا کمال سمجھا جاتا ہے اور تنقید کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ حریف کی بدنامی ہوتا ہے۔ توحید بارے شیخ القرآن صاحب کا وہی عقیدہ ہے جو تمام مسلمان علماء کا ہے۔ اِس اعتقاد کے ساتھ مردہ سے سوال کرنا کہ وہ نفع ونقصان کا مالک ہے ان کے نزدیک شرک ہے، وہ غیر اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِسی طور پر آپ غیر اللہ کے لئے نذر حرام سمجھتے ہیں۔ لیکن مخالفین نے ان کے خلاف پروپیگنڈہ یہ کیا ہے کہ آپ ان سارے شرکیہ افعال کے مقر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پنج پیری مسلک سے تعلق رکھنے والے بعض مخلص مصلح اور صالح افراد بھی اِس غلط فہمی میں مبتلاء ہیں کہ مولانا موصوف کے عقیدۂ توحید میں خلل ہے۔ ان صالح افراد سے میرا مطالبہ ہے کہ وہ غیر جانبدارانہ مطالعہ کریں اور تحقیق کے ذریعے حقائق تک رسائی حاصل کریں۔ یہ صالح افراد اِس سوال پر بھی ذرا غور کریں کہ اگر مولانا موصوف عقیدۂ توسّل کی وجہ سے مشرک ہیں تو مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا اشرف علی تھانویؒ، شاہ عبد العزیزؒ[۲۷] مولانا حسین احمد مدنیؒ اور دوسرے علماءِ دیوبند کیونکر مؤحد رہ سکتے ہیں۔ جبکہ یہ حضرات بھی توسّل کے قائل ہیں۔

۲۷؎ البصائر ص ۸۷۔

باب پنجم

یار یا اغیار

پچھلے ابواب میں آپ نے صوابی کے چار پیاروں کی حالاتِ زندگی، ان کے کارنامے اور افکار و نظریات پڑھے۔ اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ یہ چاروں آپسمیں یار ہیں یا اغیار ہیں۔ فرق نقطہ نظر کا ہے، اگر آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ دینی مسائل میں فروعی اختلافات کی وجہ سے دو علماء ایک دوسرے کے دشمن اور مخالف بن جاتے ہیں تو بے شک یہ چہاروں علماءِ دین ایک دوسرے کے حریف اور دشمن ہیں لیکن اگر آپ کا نقطہ نظر وہی بن جائے جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین اور تابعینؒ حضرات کا تھا اور جو ہمارے ایمہ اربعہ اور دوسرے حق پرست علماء کا تھا اور وہ یہ کہ فروعی اختلافات رکھتے ہوئے مختلف نکتہ ہائے نظر رکھنے والے علماء بھی ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں تو پھر یہ چاروں علماء اور ان جیسے سارے علماء ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ممکن ہے آپ کے ذہن میں یہ سوال ہو کہ اگر یہ لوگ واقعی آپسمیں دوست تھے تو انہوں نے اپنی زندگی میں ایک دوسرے کو دوست کیوں نہ کہا اِس سوال کا جواب تو ان کے ذمہ ہے اور آخرت میں وہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں گے لیکن ہمارے پیشِ نظر اپنی اصلاح کی فکر ہونی چاہیئے اور تفرقہ بازی کی لعنت سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہوسکتا ہے آپ کو یہ غلط فہمی ہو کہ ان حضرات کے درمیان اختلافات فروعی نہیں اصولی تھے۔ توحید کا مسئلہ اسلام کا بنیادی مسئلہ ہے۔ توحید کا منکر مشرک اور کافر ہوتا ہے۔ شیخ القرآن آف شاہ منصور اور شیخ القرآن آف ڈاگئی

توحید کے منکر تھے پھر وہ کیسے مسلمان رہ سکتے ہیں اور شیخ القرآن والحدیث کو توحید کا منکر نہ تھے لیکن مُدا ہن تھے تو میرے پیارے بھائی یہ خود آپ کے اُخروی مفاد میں ہے کہ آپ تحقیق کے ذریعے حقیقت تک رسائی حاصل کریں۔ جان لینا چاہیئے کہ توحید کے تقاضوں کا منکر کوئی عالم دین نہیں ہو سکتا لیکن آپ کو غلط بتایا گیا ہے کہ توسّل بذوات الفاضلہ بھی شرک کے اقسام میں سے ہے جس کا مرتکب مشرک ہے ، چنانچہ جو توسل کا قائل ہوا آپ نے اس کو مشرک سمجھ لیا آپ کو بتایا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیوٰۃ طیبہ بعد از وفات کا قائل مشرک ہے اس لئے آپ نے ہر اس شخص کو مشرک اور کافر سمجھا جس نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مزار اقدس کے وسیع باغات میں زندگی کا لُطف اُٹھا رہے ہیں ۔ لیکن کیا آپ نے سوچا ہے کہ آپ موقع بہ موقع اپنے اس دعویٰ کا مذاق بھی اڑاتے پھرتے ہیں آپ مولانا حمد اللہ جان صاحب کو محض توسل کا قائل ہونے کی بنیاد پر مشرک کہتے ہیں جیسا کہ البصائر کی شرح سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب آپ مولانا اشرف علی تھانوی رح کو حکیم الامت کے نام سے پکارتے ہیں تو آپ کے دوہرے معیار پر کچھ لوگ ہنستے ہیں اور کچھ اہل دل روتے ہیں آپ خوب جانتے ہیں کہ حکیم الامت مولانا تھانوی رح فرماتے ہیں "اس حدیث سے غیر نبی کے ساتھ بھی توسّل جائز نکلا . . . . . . اور اہل فہم نے کہا ہے کہ اس پر متنبہ کرنے کے لئے حضرت عمر رض نے حضرت عباس رض سے توسل کیا نہ اس لئے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وفات کے بعد توسّل جائز نہ تھا" اپنی کتاب نشر الطیب میں چند عربی اشعار اور ان کا منظوم اردو ترجمہ لکھا ہے ۔ ملاحظہ کیجئے ۔ دستگیری کیجئے میرے نبی۔ کشمکش میں تم ہی ہو میرے نبی ابن عبد اللہ زمانہ ہے خلاف ــــ اے مرے مولا خبر لیجے مری۔ آپ کی بات مان کر اور توسّل کو شرک سمجھ کر کوئی شخص مولانا حمد اللہ جان کو مشرک قرار دینے کے بعد اگر پوچھے کہ جس عقیدہ کی بنیاد پر میں نے موصوف کو مشرک کہا ہے وہی عقیدہ تو سارے علماء دیوبند کا ہے تو آپ کا جواب کیا ہوگا۔ ممکن ہے آپ اپنے عقیدہ تمند کو الٹا سیدھا جواب دے کر

مطمئن بھی کرلیں لیکن اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر جان کر ذرا سوچ لیجئے کہ کیا قیامت کے دن بھی آپ اس سوال کا جواب دے سکیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ دوہرا معیار خود آپ کے یقین کے متزلزل ہونے کی نشاندہی کرتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ توسّل کو دو اقسام میں تقسیم کرکے لوگوں کو سمجھا دیں کہ ایک توسّلِ شرکیہ ہے اور وہ یہ کہ ولی کے مزار کو سجدہ گاہ بنایا جائے یا اس کے نام کی نذر دی جائے وغیرہ، دوسرا توسّل اختلافیہ ہے اور وہ یہ کہ بحق فلاں یا بجاہ فلاں یا بحرمتِ فلاں اللہ سے دعا مانگی جائے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اس کے قائلین میں سے ہیں، ان حضرات کے معتقدین مولانا عبد الہادی صاحب شاہ منصوریؒ اور مولانا محمد اللہ جان صاحب بھی اس کے قائل ہیں تاہم ہم اس کو جائز نہیں سمجھتے۔ پھر آپ دلائل کے ساتھ اپنا مدّعا درست ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ کے دلائل مضبوط ہوں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ ان کو تسلیم کرنے سے انکار کریں۔ دیکھئے آپ کے رویہ میں بنیادی طور پر تدبر دست لچک موجود ہے جو بڑا خوش آئند ہے مذکورہ بالا تین ہندوستانی علماءکرام توسل کے قائل ہیں پھر بھی آپ ان کا احترام کرتے ہیں، کیا لچک کا دائرہ وسیع نہیں ہوسکتا اگر آپ نے دوہرا معیار ترک کرکے یہ دائرہ وسیع کردیا تو یہ چاروں یار بن جائیں گے۔

مُلحقات

۱) "پنج پیریت اور جماعتِ اسلامی کے حوالہ سے میری داستان"

میں کوئی اَہم آدمی نہیں ہوں جس کی داستان اہمیّت کی حامِل ہو لیکن در حقیقت یہ دُو تحریکوں کی داستان ہے جو یقیناً اہم ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں جب میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا حضرت مولانا محمد قائم شاہ صاحب نے ہمارے گاؤں میں درسِ قرآن کا آغاز کر دیا۔ میں باقاعدگی کے ساتھ درس میں شرکت کرتا تھا انہوں نے انجمن اشاعت التوحید والسنۃ کے نام پر تنظیم بنائی تو اِس کا پہلا صدر میں اور ناظم برادرم فیروز شاہ مقرر ہوا۔ مولانا صاحب کی وَساطت سے حضرت شیخ القرآن آف پنج پیر سے شناسائی ہوئی جس نے بعد میں گہرے تعلّقات کی شکل اختیار کی۔ میں اور فیروز شاہ صاحب مہینہ میں ایک بار ضرور ان کی ملاقات کے لئے پنج پیر جایا کرتے تھے۔ آپ بھی جب یار حسین تشریف لاتے تو میرے پاس قیام فرماتے یا فیروز شاہ صاحب کے پاس، حالانکہ ہم دونوں کمسن تھے۔ حضرت مولانا محمد قائم شاہ صاحب ہم دونوں پر بہت زیادہ مہربان تھے۔ درسِ قرآن کے علاوہ وہ ہم دونوں کو صَرف ونحو اور فقہ کی کتابیں بھی پڑھاتے تھے علّامہ ابن حجر کی کتاب "المنبہات" بھی ہم نے ان سے سبقاً سبقاً پڑھی ہے۔ پھر ایک دن وہ بھی آیا جب وہ کراچی تشریف لے گئے۔ اب میرے ایک دوسرے جگری دوست نے میرا ساتھ دیا یہ زین العابدین تھے جو باچاگل کے عُرف سے معروف ہیں۔ ہم دونوں جہاں کسی عالم دین کو دیکھتے اس کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر دیتے چنانچہ ہم دونوں

نے کنز الدقائق مسجد بہرام خیل کے ایک مولوی صاحب سے پڑھی جس کا نام ہم نے نہیں سیکھا تھا ہم دونوں نے حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غور غشتوی رحؒ کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی چنانچہ ہم مہینہ دو مہینہ بعد آنحضرت سے فیض حاصل کرنے غور غشتی جاتے اور اُن کے پاس رات گزارتے۔ انہی ایّام میں میرے بڑے بھائی حاجی حبیب اللہ صاحب کی دعوت پر آپ یار حسین تشریف لائے اور تین رات دن ہمارے ہاں قیام پذیر رہے۔ اِس دوران آپ نے شیخ القرآن صاحب آف پنج پیر کے خلاف فتویٰ دیا تو میں سوچنے لگا کہ یہ کیا ہوا۔ یہ بات نہ جانے میں نے کہاں سنی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔" اختلاف امتی رحمۃ" بہرحال یہ بات میرے لئے تسلّی کا باعث بنی اور میرے دل میں اب بھی دونوں کا احترام برابر رہا۔ ۱۹۶۲ء میں میں نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تو اسلامیہ کالج پشاور میں داخلہ لیا جبکہ زین العابدین ملازمت کے لئے لاہور چلے گئے اب میرا کوئی ساتھی نہ تھا جو میرے ساتھ غور غشتی چلا جاتا البتہ پنج پیر جانے کا تسلسل نہیں ٹوٹا۔ شیخ القرآن صاحب بھی جب پشاور آتے تو یونیورسٹی آکر مجھے شرفِ ملاقات بخشتے۔ ڈورہ اور سفید ڈھیری میں اجتماع ہوتا تو مجھے ساتھ لے کر چلتے۔ ان کی وجہ سے میرا حلقہ تعارف بہت زیادہ وسیع ہوا تھا اور بہت سارے لوگ میرے بے تکلف دوست بن گئے تھے۔ ان کے بیٹوں، بھتیجوں اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھائیوں جیسے تعلقات تھے۔

۱۹۶۹ء میں جماعتِ اِسلامی کے ساتھ اِختلافات کا آغاز ہوا تو یہ میرے لئے بڑا دھچکا تھا۔ بات دُنیا کی ہوتی تو میں سوچے بغیر اپنے مہربان شیخ کا ساتھ دیتا۔ میں جانتا تھا کہ حضرت شیخ کا ساتھ چھوڑوں گا تو وسیع زمین مجھ پر تنگ ہو جائے گی۔ سارے جگری دوست منہ پھیریں گے، دوست کیا جن رشتہ داروں کو میں نے توحید و سُنت سے روشناس کیا ہے وہ بھی پرائے ہو جائیں گے دوسری طرف میں دیکھ رہا تھا کہ فتنہ سوشلزم کی سرکوبی کے لئے میدان میں صرف جماعت اِسلامی کود پڑی ہے۔ تاہم میں نے مولانا مودودی رحؒ کی کتابوں کا

از سرِ نو مطالعہ اِس غرض سے شروع کیا کہ ان میں ایسے مواد مل جائیں جو خلافِ شریعت ہوں تو جماعت اِسلامی کو چھوڑ کر اشاعت میں رہوں اور ان کے اکابرین کو فتنہ سوشلزم کی مخالفت پر آمادہ کروں۔ میں نے "خلافت و ملوکیت" سے تحقیق کا آغاز کیا جو مولانا کی کتابوں میں سب سے زیادہ متنازعہ فیہ ہے۔ خُدا کا کرنا تھا کہ اِن دنوں میں اپنے دوست میاں عبد الستار کے ساتھ معمول کے مطابق چکر لگا کر فارسٹ کالج سے واپس ہاسٹل آرہا تھا۔ میرا دوست پیپلز ایس ایف کا سرگرم کارکن تھا اور حیات محمد خان شیرپاؤ کا دوست تھا اِس دوران ہم نے دس بارہ طالبان دیکھے جن کے آگے ایک خوبصورت شخص بڑے باوقار انداز میں قدم اُٹھا کر جارہا تھا۔ میرے دوست نے دیکھا تو کہا ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان طالبان میں سے ایک شخص ہمارے پاس آیا اور پوچھا کافی شاپ کہاں ہے؟ آپ رہنمائی کریں۔ ہم نے کہا ساتھ چلتے ہیں ہم نے بھی وہیں جانا ہے میں نے اس شخص سے پوچھا یہ صاحب کون ہیں۔ کہا مولانا محمد چراغ صاحب ہیں۔ شاہ انور شاہ کشمیریؒ کا شاگردِ خاص۔ میں نے کہا اِتحاد العلماء کا صدر؟ کہا ہاں۔ نام سے تو میں پہلے ہی سے واقف تھا، میں اس کے قریب گیا اپنا تعارف کرایا اور کہا میں اِسلامی جمعیت طلبہ کا رفیق ہوں۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ کہا بہت خوب پھر سوشلسٹوں کے بارے میں پوچھا میں نے کہا ان کو تو ہم نے زیر کرلیا ہے لیکن دوسری طرف سے ہم پر فتویٰ بازی کی بارش ہو رہی ہے خصوصاً خلافت و ملوکیت کے حوالہ سے ہم پر شدید تنقید ہو رہی ہے میں نے کہا جناب اس کتاب کے مندرجات بارے آپ کا کیا خیال ہے فرمایا جو لوگ اِس کتاب پر تنقید کر رہے ہیں وہ اِس مسئلہ کی نوعیت سے بے خبر ہیں ان لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے سرے سے یہ کتاب نہیں پڑھی ہے، بعض نے یہ پڑھی ہے لیکن دوسرے اکابرین کی کتابیں نہیں پڑھی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی ہے یا نہیں؟ اگر ہوگئی ہے تو دوسرا سوال یہ ہے کہ نقص دینِ اسلام کا ہے جیسا کہ کمونسٹ کہتے ہیں یا افراد کا ہے جیسا کہ اکابرین امت کہتے

ہیں۔ میرے دوست نے ان سے بات تو کوئی نہیں کی لیکن جو کچھ سنا وہ اس کی ہدایت کا سبب بنا۔ رات کو اس نے مجھے بتایا کہ وہ شخص میری نظروں سے ہٹتا نہیں ہے۔ میرے دل کی حالت تبدیل ہو گئی ہے اور اب سوشلزم میں میرے لئے کوئی کشش باقی نہیں رہی ہے۔ اس کے بعد اس نے باقاعدگی سے نماز پڑھنا شروع کیا۔ میں حیران تھا کہ میرے سالوں کی دوستانہ مناظرہ بازی نے تو اس پر کچھ اثر نہیں کیا اور ایک اللہ والے کی صحبت میں پندرہ بیس منٹ رہ کر اس کی حالت ہی تبدیل ہو گئی۔ میں نے خلافت و ملوکیت پڑھی تو سمجھ گیا کہ مولانا نے کمونسٹوں اور دوسرے غیر مسلم دانشوروں کے سوال کا موثر جواب دیا ہے۔ ان لوگوں نے سائنٹیفک انداز میں اِس بات کی تشہیر کی ہے کہ ہر نظریہ ایک خاص ماحول کا پیداوار ہوتا ہے، ایک خاص ماحول میں یہ پروان چڑھتا ہے اور جب وہ ماحول باقی نہیں رہتا تو وہ نظریہ از خود دم توڑتا ہے اور اس کی جگہ دوسرا نظریہ لیتا ہے۔ عرب کے ایک خاص ماحول میں نظریۂ اسلام نے جنم لیا اس نظریہ کی بنیاد پر خلافت قایم ہوئی۔ تیس سال تک اس نظریہ میں سکت تھی پھر جیسا کہ دوسرے نظریات دم توڑتے ہیں یہ نظریہ بھی دم توڑ گیا۔ اب دنیا کے خاتمہ تک دوبارہ خلافت قایم نہیں ہو سکتی۔ مولانا کا دعویٰ ہے کہ یہ نظریہ کسی اِنسان کا بنایا ہوا نظریہ نہ تھا بلکہ یہ اللہ کا دین ہے جو پہلے کی طرح اب بھی زندہ ہے۔ چند افراد کی غلطیوں کی وجہ سے خلافت ختم ہوئی لیکن یہ خاتمہ عارضی تھا چند دوسرے بزرگوں نے ملوکیت کے بعد دوبارہ خلافت قایم کی اور عمر بن عبدالعزیزؒ پانچواں خلیفہ رہے، یہ نظریہ ایسا مستحکم اور بلا نقص ہے کہ قیامت تک اس کی بنیاد پر خلافت قایم ہو سکتی ہے

اسلامی جمعیت طلبہ کا کردار

ایک طرف میں مولانا مودودیؒ کی کتابوں کا مطالعہ کر رہا دوسری طرف اِسلامی جمعیت کا کردار میرے لئے بڑا پُر کشش تھا۔ ہفتہ وار اجتماع میں ہم ایک پُرو فارما پُر کر کے ناظم کے سامنے پیش کرتے جس میں لکھا ہوا ہوتا کہ اِس ہفتے کوئی نماز قضاء تو نہیں ہوئی ہے اور اگر ہوئی ہے تو وجہ کیا تھی۔ قرآن کریم کی کتنی تلاوت کی ہے۔ احادیث کی کسی کتاب سے کتنی احادیث پڑھی ہیں۔ اسلامی لٹریچر کا کتنا حصہ پڑھا ہے

اپنی دعوت کتنے لوگوں تک پہنچائی ہے؟ وغیرہ۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ ہم یہ سارے کام باقاعدگی کے ساتھ کرتے تھے۔ کردار کے حوالہ سے ایک واقعہ نے مجھے بہت زیادہ متاثر کیا۔ پیپلز پارٹی سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے کمروں کے دروازں پر ذوالفقار علی بھٹو صاحب کی تصویریں چسپاں کر رکھی تھیں۔ میں نے مولانا مودودیؒ کی ایک خوبصورت پُرکشش تصویر ڈھونڈ لی اور دروازہ کے شیشہ پر چسپاں کی۔ یقین جانیئے کہ ناظم خلقہ محمود صاحب جو اَب واپڈا میں ایگزیکٹو انجنیئر ہیں نے دیکھا تو آگ بگولا ہو گئے۔ مجھے بہت بُرا بھلا کہا اور ناراض ہو کر میرے کمرے میں آئے بغیر واپس اپنے کمرہ چلا گیا پہلے تو میں اس کی سخت باتوں سے ناراض ہوا لیکن سوچا تو اس کی بات صحیح معلوم ہوئی میں نے تصویر پھاڑ دی اور کاغذ کے پُرزے پھینک دیئے۔ عصر کے وقت وہ آیا تو بڑا خوش تھا مجھے گلے لگایا اور پیار بھرے انداز میں کہا ہم تو شرک کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں، اگر ہم خود اسلام پر عمل پیرا نہ ہوں تو اِسلامی نظامِ تعلیم کیسے برپا کریں گے۔ میں اپنے پرانے دوستوں کے ساتھ نعمت محل جایا کرتا تھا جہاں چائے پی کر انڈین فلمی گانوں سے لُطف اندوز ہوتے۔ ناظم محمود خان صاحب کی ڈانٹ دیکھی تو میں نے اپنی اصلاح آپ کرنے کی طرف پوری توجہ دی۔ میں ساتویں جماعت کے زمانہ سے شاعری کرتا چلا آرہا تھا۔ خرافات و واحیات پر مبنی شاعری کا کافی مواد میرے پاس جمع ہو گیا تھا۔ ایسے اشعار بھی تھے جن میں پارسا لوگوں کی تضحیک کی گئی تھی اور ایسے بھی جن میں قوم پرستی کی ترغیب تھی میں نے یہ مجموعات جلا دیئے اور کفّارہ کے طور پر اِسلامی انقلابی نظمیں لکھنا شروع کیا۔

اپنی اصلاح آپ کا اِحساس

ناظم محمود خان صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے مشاعرے منعقد کرنا شروع کر دیا جن میں ہم نظمیں پڑھتے ان مشاعروں میں اجمل دلسوز، معین الدین چشتی اور استراج خان بھی اپنے کلام سے طلباء کے دلوں کو گرماتے تھے۔ مجھے حیرت بھی تھی اور مُسرت بھی کہ جمعیت کا ہر فرد دوسرے کے لئے محتسب ہوتا تھا۔ معمولی سی غلطی سرزد ہو جاتی تو ساتھی کہتا ہم نے جمعیّت کا فارم پُر کیا ہے۔ مجھے اِس بات پر بھی خوشی اور حیرت تھی کہ جمعیّت کا ہر رُکن اور رفیق عقیدۂ توحید کی دولت سے مالا مال تھا

تربیتی اجتماعات :- مہینہ دو مہینہ بعد دفتر جمعیت میں جو یونیورسٹی سے باہر غریب آباد میں واقع تھا تربیتی اجتماعات منعقد ہوا کرتے تھے عام طور پر یہ رات کو ہوتے تھے اور ان کو شب بیداری کہا جاتا تھا۔ ارکانِ جمعیت پر تہجد کی نماز کے لئے اٹھنا لازم تھا البتہ رفقاء اور متاثرین کی رضامندی کی شرط پر ناظم ان کو بھی جگاتا۔ بعد از نمازِ عشاء اجتماع کا آغاز ہوتا" درس قرآن ہوتا، درس حدیث ہوتا، تاریخ سے ایک ورق پڑھا جاتا۔ حالات حاضرہ کا جائزہ لیا جاتا، ترنم کے ساتھ ایک آدھ نظم پڑھی جاتی۔ گروپ ڈسکشن ہوتی اور کبھی کبھی بیت بازی کا مقابلہ ہوتا۔ بیت بازی کے اِس مقابلہ میں اِلیاس بھائی ہمیشہ اوّل نمبر پر رہتا۔ اِن اجتماعات کا ارکان و کارکنان کی تعمیر سیرت میں بڑا اہم کردار تھا۔

جمعیت اور نہی عَنِ المنکر میں نے ۱۹۶۲ء میں جب اِسلامیہ کالج میں داخلہ لیا اُس وقت مذہبی طور پر اشاعت التوحید والسنۃ سے اور سیاسی طور پر نیشنل عوامی پارٹی سے وابستہ تھا۔ میری زندگی دو حصوں میں منقسم تھی دینی و دنیاوی۔ اشاعت کے درس میں شامل ہوتا تو احترام کے ساتھ درس سنتا لیکن اپنی سیاست میں مجھے آزادی حاصل تھی ڈھول باجا کے ساتھ جلوس میں اُچھلنے کودنے پر اشاعت کی طرف سے کوئی پابندی نہ تھی۔ خاندانی اثر نہ ہوتا تو میں بھی دوسرے دوستوں کی طرح ڈھول کی تھاپ پر ناچنے میں شرم محسوس نہ کرتا اس وقت اِسلامی جمعیت طلبہ پر ایک آمر مطلق نے پابندی عائد کر رکھی تھی جبکہ بدی کی قوتوں کی سرکاری طور پر حوصلہ افزائی ہو رہی تھی۔ اِسلامیہ کالج اور یونیورسٹی کے ہاسٹلوں میں موسیقی کے پروگرامات باقاعدگی کے ساتھ منعقد ہوا کرتے تھے۔ بارش ہوتی تو [illegible] مَنایا جاتا جس میں طلباء آپس میں بھی ایک دوسرے کے کپڑے کیچڑ سے لت پت کرتے اور اگر پرنسپل یا ٹیچر سامنے آتا تو ان پر بھی کیچڑ پھینکا جاتا، یہاں تک کہ مذہبی پیشوا ڈین آف اِسلامیات بھی اس کی زد میں آتا۔ فرسٹ ایئر میں آنے والے نئے طلباء کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا جس کا ایک مہذب انسان تصوّر نہیں کرسکتا۔ کلاس کے اندر [illegible] اساتذہ پر ہوٹنگ

کا عام رواج تھا، داڑھی رکھنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا البتہ جمعہ کی نماز میں شرکت باعثِ ملامت نہ تھی۔ آمر مطلق فیلڈ مارشل کی رخصتی کے ساتھ جمعیت پر سے پابندی اُٹھ گئی تو اس کی افرادی قوت میں اضافہ ہوتا رہا اب جمعیت کے رہنماؤں نے نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرتے ہوئے ان منکرات کے خلاف عملی اقدامات کئے اور سوائے فولنگ کے تقریباً تمام منکرات کا خاتمہ کیا۔ جمعیت کے اِس کردار نے بھی مجھے متأثر کئے رکھا۔ الغرض لٹریچر کے مطالعہ اور جمعیت وجماعت کے کردار نے مجھے اِس بات پر مطمئن کر رکھا تھا کہ غیر اِسلامی نظریات کو مٹا کر اِسلامی نظریات کی بُنیاد پر ایک اِسلامی مملکت کی تشکیل تحریک اِسلامی ہی کر سکتی ہے۔

وسیع دوستانہ ماحول:۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں میرا خیال تھا کہ جب میں جماعت اِسلامی میں شامل ہوں گا تو میرے توحیدی بھائی منہ پھیریں گے رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے اور یوں مجھ پر وسیع زمین تنگ ہو جائے گی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم دیکھئے کہ میرے بیشتر دوستوں کے اِحساسات بھی وہی تھے جو میرے تھے چنانچہ پرانے دوست اِسلامی انقلاب کے قافلہ عشاق میں نظر آتے تو خوشی کی انتہا نہ رہتی۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے ایسے بے لوث اور مُخلص دوست عطا کئے جن کا میں تصوّر نہ کر سکتا تھا۔ یہ دوست سرتاپا محبت تھے، حلقہ یاراں میں بریشم کی طرح نرم ہوا کرتے تھے لیکن کمونسٹوں، لادین عناصر اور فحش کاروں کے لئے فولاد سے بھی زیادہ سخت تھے۔ ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہر دوست دوسرے کے لئے محبَّب ہوا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے اپنے ایک مخالف کے بارے میں کچھ الفاظ کہے۔ چھوٹا لاہور کے عباس نامی دوست نے کہا "یہ الفاظ اِسلامی جمعیت طلبہ کے کارکن کے شایان شان نہیں ہیں" اِس کے بعد میں نے کبھی کسی مخالف کے بارے میں نازیبا الفاظ نہیں کہے۔

اساتذہ کا احترام:۔ میں اِس بات پر بڑا نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے معافی

کا خواستگار ہوں کہ سکول میں بعض اساتذۂ کرام کو ہم بے جا تنگ کیا کرتے تھے۔
حضرت مولانا شمس الرحمٰن صاحب ہمارے دینیات کا ٹیچر تھے۔ میرے بڑے بھائی کی وجہ سے مجھ پر بہت زیادہ مہربان تھے لیکن میرے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ یہ بدعتی ہے اور بدعتی کی عزت اسلام کو منہدم کرنا ہے۔ میں اور زین العابدین ہاچا گل ہر روز اُن پر نت نئے سوالات کی بوچھاڑ کرتے اور مناظرہ بازی کا شوق پورا کرتے تاہم ان کا رویّہ بڑا مشفقانہ ہوتا تھا اور ہمارے ہر سوال کا جواب خندہ پیشانی سے دیتے کالج میں بھی میرا یہی رویّہ رہا۔ میرے چچازاد بھائی عنوان الدین صاحب نے مجھے بڑی میز کے برابر ایک ٹیپ ریکارڈر دی تھی۔ اس زمانہ میں ٹیپ ریکارڈر انوکھی چیز تھی۔ میں ہاسٹل میں اس پر حضرت شیخ القرآن صاحب کا کیسٹ چلاتا اور آواز کو اس خاطر اونچی کرتا کہ مولانا عبدالشکور صاحب فاضلِ دیوبند جو ہاسٹل وارڈن تھا کے کانوں تک آواز پہنچ سکے۔ اسلامی جمعیّت طلبہ میں شامل ہو کر میں نے دیکھا کہ جمعیّت کا ہر کارکن ہر اُستاد کا بے حد احترام کرتا ہے۔ بعض اساتذہ مولانا مودودیؒ کے شدید ترین نقاد تھے، بعض کھلم کھلا کمونزم اور نیشنلزم کا پرچار کرتے۔ موقع بہ موقع جمعیّت کے کارکن ان کی باتوں کا جواب دیتے اور بحث چھڑ جاتی لیکن ادب کا ایسا خیال رکھا جاتا تھا کہ خود اُستاد اس بحث سے محظوظ ہو جاتا۔ عجیب بات یہ تھی کہ جو اساتذہ کلاس میں جماعتِ اسلامی کی مخالفت کیا کرتے تھے وہ اِسلامی جمعیّت طلبہ کی مالی اعانت بھی کرتے تھے۔ سحر یوسف زئیؒ ہمارے اُردو کے پروفیسر تھے ان کا تعلق بائیں بازو کی ایک جماعت سے تھا۔ ان سے بحث مباحثہ ہوتا تھا لیکن محبت کا حال یہ تھا کہ کسی جگہ مجھے دور سے دیکھتا تو دوستوں کی طرح زور سے نام پکارتا۔ میں دوڑ کر پاس جاتا تو سر پر دستِ شفقت پھیر کر باتیں شروع کرتا۔
یہاں میں نے اساتذہ اور علماءِ کرام کا احترام سیکھا۔ اب میرے دل میں ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے عالمِ دین کا احترام تھا۔ میرے بغض و حسد اور عناد کا رخ اپنوں سے

یہود و ہنود سے عناد | غیروں کی طرف مڑ گیا۔ یقین جانیئے کہ خود کو موحد سمجھ کر بھی میں مشرکین بھارت کو پسند کرتا تھا۔ جس دن جواہر لال نہرو کا انتقال ہوا تھا اس دن میں اور فیروز شاہ صاحب بڑے غمزدہ تھے۔ ہم نے کبھی نہ سوچا تھا کہ اصل مشرک تو ہندو ہے جو بُت کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے اور لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کا منکر ہے۔ ہم یہود و نصاریٰ کے بارے میں آیتیں پڑھتے تھے لیکن ہمیں بتایا جاتا تھا کہ اس سے مراد علماءِ اسلام ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے دلوں میں نہ اسرائیلیوں کی نفرت پیدا ہوئی نہ فرنگیوں کی۔ اِسلامی جمعیّت طلبہ کے اجتماعات میں ہم نے علماء کرام کی تقاریر سُنیں تو آنکھیں کُھل گئیں کہ ہمارا اصل دُشمن تو ہماری نظروں سے غائب رہا ہے ہم نے فتنۂ قادیانیت اور پرویزیت کے بارے میں اپنے بزرگوں سے کچھ سُنا ہی نہ تھا اگر ختمِ نبوت کی بحث آتی تو ایران کے بہائی فرقہ کی مثال دی جاتی تھی جو ختمِ نبوت کا منکر تھا۔ اب بھی آپ البصائر کا صفحہ نمبر ۳۷۶ دیکھیئے ختمِ نبوت کی بحث میں فرقہ بہائیہ کا نام لیا گیا ہے لیکن قادیانی کو نظر انداز کیا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی پاکستانی، فوجی ڈکٹیٹر کی مخالفت کرتے ہوئے کہے کہ جرنیل کے لئے بزور و جبر ملک پر مسلّط ہونا ملک سے غداری ہے جیسا کہ کرنل قذافی لیبیا پر مسلّط ہو چکا ہے۔ ہر کوئی جانتا ہو گا کہ مشرف کی جگہ وہ قذافی کا نام کیوں لیتا ہے۔ مولانا مودودیؒ اور جماعتِ اسلامی کے لٹریچر سے ہمیں معلوم ہوا کہ اِسلام اور عالمِ اِسلام کے خلاف عالمی طور پر کیا سازشیں ہو رہی ہیں۔ ہم نے جان لیا کہ اِن سازشوں کے پیچھے یہودی ذہن کارفرما ہے اور ہندو اور عیسائی اِن سازشوں کے عملی اقدامات میں ممد و معاون ہیں۔ اِن وجوہات کی بناء پر علماء کرام کے ساتھ ہمارا جو بے جا بُغض و عناد تھا اس کا رخ یہود و نصاریٰ، ہندوؤں، قادیانی اور منکرین حدیث کی طرف مُڑ گیا۔ اب مجھے اِحساس ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل شدہ آیتوں کو علماءِ دین پر چسپاں کر کے ہم نے غیر شعوری طور پر سہی، اسرائیلیوں اور فرنگیوں کی خدمت کی ہے۔ میں اس نکتہ کو سمجھ گیا کہ حاجی صاحب آف ترنگزئی کے متعلقین کے درس

قرآن سے انگریز اس وجہ سے خوفزدہ تھے کہ وہ نصاریٰ سے متعلق آیتوں کو نصاریٰ پر چسپاں کرتے تھے جس سے ان کی حکومت کے لئے خطرہ پیدا ہوا تھا۔

ایک شبہ کا ازالہ:- مولانا مودودیؒ پر شدید تنقید اور زبردست اعتراضات اور ان کی طرف سے محض دفاع کی صورت حال دیکھ کر میں نے سمجھا تھا کہ دوسرے علماء کرام نے بڑی احتیاط کے ساتھ قلم اُٹھایا ہے میں دل میں کہا کرتا تھا کہ مولانا بھی ایسا لکھتے جس پر اعتراض نہ ہوتا تو کیا اچھا ہوتا اِس کا ذکر میں نے اپنے ایک دوست امیر شاہ صاحب سے کیا جو بڑا وسیع المطالعہ ہے اُس وقت وہ جیالوجی ڈیپارٹمنٹ کا سٹوڈنٹ تھا اور اب اِسی ہی ڈیپارٹمنٹ میں پروفیسر ہیں۔ انہوں نے مجھے کہا کہ علماء کرام میں مولانا مودودیؒ واحد عالم دین ہیں جنہوں نے اپنی تحریرات میں بڑی اِحتیاط سے کام لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا کے مخالفین کے اکابرین کی کتابیں فاش غلطیوں سے بھری پڑی ہیں لیکن مولانا مناظرہ بازی کے شوق میں دین کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ انہوں نے میز پر سے ایک چھوٹی سی کتاب اٹھا کر مجھے دی اور کہا لو یہ تمہارے اُستاذ شیخ القرآن آف پنج پیر کے اُستاد ہیں۔ میں نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب پڑھی تو سر چکرا گیا۔ میں نے دیکھا کہ مولانا موصوف قرآن کریم کی چند آیتوں کی ایسی تفسیر کرتا ہے جو بخاری میں منقول احادیث کے خلاف ہے میں نے مولانا موصوف کا سارا لٹریچر لاہور سے منگوایا اور بغور مطالعہ کیا۔ بعد میں پروفیسر صاحب کی نشاندہی پر بعض دوسرے اکابرین کی کتابیں پڑھیں تو معلوم ہوا کہ مولانا مودودیؒ نے واقعی اپنی تحریر میں بڑی احتیاط برتی ہے۔ اِس بات پر بھی میرا یقین پختہ ہو گیا کہ مولانا مودودیؒ مناظرہ بازی کے شوق میں دین کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتے۔ نہ صرف مولانا مودودیؒ بلکہ ان کے پیرو کاروں کا بھی ایسا ہی مزاج بن گیا ہے۔ میں اِس بات کو بھی اب خود سمجھ گیا کہ جو لوگ مولاناؒ پر اعتراضات کرتے ہیں وہ اخلاص کی بنیاد پر نہیں بلکہ عناد کی بنیاد پر کرتے ہیں۔ اِسی بناء پر میں نے فیصلہ کیا کہ اِسی جماعت کے ساتھ رہ کر توحید و سُنت کی بالادستی کے لئے کام کروں گا۔

ضمیمہ ۲

الہام الرحمٰن :- مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی یہ تفسیر آپ کے شاگرد رشید علامہ موسیٰ جار اللہؒ نے املا کی۔ موسیٰ جار اللہؒ خود بہت بڑے عالم دین تھے۔ ۱۹۱۳ء تک آپ کی اڑھائی سو تصنیفات قاہرہ میں شائع ہوئیں علامہ جار اللہ موسیٰ اور مولانا سندھیؒ کا تعارف پہلی دفعہ لینن گراڈ میں ہوا اس کے بعد قیام مکہ کے دوران دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ آپ نے امام سندھیؒ کی یہ تفسیر عربی زبان میں قلمبند کی۔ علامہ سندھیؒ جب وطن واپس پہنچے تو یہ تفسیر اپنے ساتھ لائے۔ مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی تلمیذ مولانا سندھیؒ نے اس تفسیر کے دو حصوں کو شائع کیا۔ علامہ موسیٰ جار اللہ تفسیر کی املا کی داستان یوں بیان فرماتے ہیں "میرے اُستاد مولانا سندھیؒ املاء کرانے سے تھکنے کا نام نہ لیتے اور میری خوشی کا یہ عالم تھا کہ مجھ میں سننے اور لکھنے کا اشتیاق بڑھتا ہی جاتا تھا ..... جب امام سندھیؒ نے اپنے امالی پوری توجہ دی ہے اور پورے اہتمام سے لکھا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے"

تفسیر کا مقدمہ ۲۱ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۲۰ صفحات میں سورۂ فاتحہ کی تفسیر کی گئی ہے۔ پہلی جلد سورہ توبہ تک لکھی ہوئی ہے۔ مولانا محمد معاویہ مرحوم نے اس کے کچھ حصے اُردو میں شائع کئے ہیں۔ جیسا کہ آپ پچھلے ابواب میں پڑھ چکے ہیں اِس تفسیر میں مفسر کی بعض آراء قرآن و احادیث کی تعلیمات سے متصادم ہیں جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا رفع جسمانی الی السماء اور امام مہدی علیہ السلام کا ظہور۔ قرآنی سزاؤں کے بارے میں بھی آپ کے خیالات علماء اُمت کے خیالات کے خلاف ہیں۔ تفسیر پڑھتے وقت قاری اس وقت

الہام الرحمٰن "پیش لفظ از علامہ موسیٰ جار اللہ ص ۳۱۔

تشنگی محسوس کرتا ہے جب مولانا اپنے دعوی کے لئے دلیل پیش نہیں کرتا مثلاً جب وہ کہتا ہے کہ قطع ید کی سزا صرف اس چور کے لئے ہے جو چوتھی بار چوری کرے تو اس کے لئے نہ وہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ سنت خلفاء راشدین سے دلیل پیش کرتے ہیں۔ اسی طور پر جب وہ کہتے ہیں کہ قطع ید کی سزا صرف اس چور کے لئے ہے جو سونا چرائے تو یہ بات بھی وہ بلا دلیل نقل کرتے ہیں۔ علماء کرام جانتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بار چوری کرنے پر بھی سزا دی ہے اور سونے کے علاوہ دوسری چیزوں کی چوری پر بھی سزا دی ہے۔ تاہم بعض آراء پیش کرتے وقت جب دلیل پیش کرتے ہیں تو قاری داد تحسین دیئے بغیر نہیں رہ سکتا بعض دوستوں کا خیال ہے کہ ممکن ہے بعض لوگوں نے بعد میں آپ کی تفسیر میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا ہو لیکن یہ خیال چند وجوہ سے غلط ہے۔ یہ تفسیر ان کے دست راست اور معتمد شاگرد علامہ موسیٰ جار اللہ نے املاء کیا ہے جن سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے اپنی طرف سے کچھ ملا دیا ہو۔ پھر یہ امالی مولانا سندھیؒ نے پوری طرح دیکھ بھی لیا ہے۔ یہ بات بھی اِس خیال کو غلط ثابت کرتا ہے کہ اس کی اشاعت اُن کے دوسرے شاگرد رشید مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی زیر نگرانی ہوئی ہے۔ لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ مولانا کے یہ خیالات و نظریات ان کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں جو مختلف اداروں نے شائع کئے ہیں برسوں سے کتابیں بار بار شائع ہو رہی ہیں اور لوگ ان کو پڑھ رہے ہیں لیکن ان کے متعلقین میں سے کسی نے ان کی ان باتوں کی تردید نہیں کی ہے۔

۳۔ **تفسیر المقام المحمود :** ـــ یہ تفسیر مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی اُردو تفسیر ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر عبد الواحد ہالیپوتہ تفسیر المقام المحمود کی قلمبندی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں " یہ تفسیر مولانا عبید اللہ سندھیؒ مکہ معظمہ کے پُر انوار ماحول میں اپنے تلامیذ اور محبین قرآن کے سامنے پیش کرتے تھے اور ان کے تلمیذ اور سفر کابل کے رفیق مولانا عبد اللہ لغاری صاحب روزانہ قلمبند کرتے تھے حتیٰ کہ دو سال کی مسلسل محنت اور جفاکشی سے یہ سارا تفسیر

تفسیر المقام المحمود [illegible] ص ۶۷

قلمبند ہوگئی .... اس کا اصل نسخہ جو خود مولانا لغاری صاحب کا لکھا ہوا ہے، سندھ یونیورسٹی میں موجود ہے"۔ اس تفسیر کی پہلی جلد مکی دارالکتب لاہور نے شائع کی ہے جو سورۂ فاتحہ سے سورۂ نساء تک ہے۔ ۴۸۱ صفحات میں تفسیر پر مختلف علماء کے تبصرے بھی ہیں اور مولانا سندھیؒ کی طرف سے قرآنی مطالعہ کے بنیادی اصول بھی۔ آخری پارہ عم بھی شائع ہو چکا ہے جس کے کچھ حصّے بی اے اسلامیات کے کورس میں شامل ہیں۔ جو کچھ الہام الرحمٰن میں ہے وہی کچھ اس تفسیر میں بھی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مولاناؒ کی بیشتر تحریرات کو ان کے تلامذہ نے مرتب کیا ہے اس لئے ان تحریرات میں جو باتیں قرآن و سُنت کی تعلیمات کے خلاف ہیں ان سے مولانا کو بری سمجھا جائے۔ اس کی وجہ انہوں نے یہ بیان کیا ہے کہ ان کی کتابوں کے بعض مرتّبین علوم دینیہ میں کامل نہ تھے اس لئے ممکن ہے انہوں نے مولانا کی بات صحیح طور پر نہ سمجھی ہو۔ اس احتمال کے پیش نظر میں نے مولاناؒ کے ان تفردات کو نقل کرنے سے احتراز کیا ہے جو غیر علماء سے منقول ہیں۔ پروفیسر محمد سرور صاحب سے منقول چند ایک تفردات کا ذکر میں نے اس لئے کیا ہے کہ ان کی تصدیق دوسرے مستند ذرائع سے بھی کی جا سکتی ہے۔ رہی تفسیر الہام الرحمٰن اور تفسیر المقام المحمود تو یہ دو مستند جیّد علماء علامہ موسیٰ جار اللہ اور مولانا عبداللہ لغاری کی املاء کردہ تفاسیر ہیں الہام الرحمٰن جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں علاّمہ موسیٰ جار اللہ کی املا کردہ تفسیر ہے۔ علاّمہ صاحب مولانا سندھیؒ کا تلمیذ خاص اور دست راست تھے جبکہ تفسیر المقام المحمود مولانا کے معتمد خاص اور شاگرد رشید کی مرتب کردہ تفسیر ہے۔ ان دو علماء کے بارے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے مولانا کی بات صحیح طور پر نہ سمجھی ہو۔ یہ شبہ بھی بلا جواز ہے کہ ان دونوں حضرات نے خیانت کر کے ان تفاسیر میں اپنی طرف سے کچھ ملا دیا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ایک املا کنندہ اپنے الگ الگ خیالات کو ان تفاسیر میں شامل کرتا لیکن یہاں حال یہ ہے کہ مولانا کے جو تفردات علامہ موسیٰ جار اللہ نے عربی تفسیر الہام الرحمٰن میں نقل کی ہیں ان میں سے بیشتر ان کی اُردو تفسیر المقام المحمود میں بھی منقول ہیں۔ میرے خیال میں علاّمہ

موسیٰ جار اللہ اور مولانا عبداللہ لغاری کی طرف سفاہت یا خیانت کی نسبت کرنے سے بہتر یہ ہے کہ ان تفردات کی نسبت مولانا سندھیؒ کی طرف کی جائے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ یہ تفردات مولانا سندھیؒ کے ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ ان کی طرف چند تفسیری غلطیوں کی نسبت ہو جائے گی لیکن اگر یہ کہا جائے کہ یہ ساری تفسیر تو ہے مولانا سندھیؒ کی لیکن جن آیات کریمہ کی غلط تفسیر و تاویل کی گئی ہے وہ اُن کے شاگردوں علامہ موسیٰ جار اللہ اور مولانا عبداللہ لغاری صاحب نے اپنی طرف سے بڑھادی ہیں تو یہ یقیناً ان کی دیانت و امانت پر بلا جواز شبہ ہوگا اس قسم کی بدگمانیوں سے قرآن کریم نے منع کیا ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تفسیر المقام المحمود پر مولانا مفتی عبدالقدیر صاحب مولانا مفتی عبدالخالق آزاد، ڈاکٹر سعیدالرحمٰن اعوان، ڈاکٹر عبدالواحد ہالے پوتہ۔ مولانا سعید اکبر آبادی اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی جیسے علماء نے تبصرے لکھے ہیں لیکن یہ شبہ کسی نے ظاہر نہیں کیا ہے کہ اس تفسیر میں مرتب کنندہ نے اپنی طرف سے کچھ ملادیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ایک مجتہد اجتہاد کرتا ہے تو اس کے اجتہاد میں صواب و خطاء دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ مولانا سندھیؒ بلا شبہ مجتہد تھے۔ آپ قرآن کریم کا عاشق تھے اور اس کی تعلیمات کو عملاً نافذ کرنے کے لئے بے تاب رہتے تھے آپ کی دلی آرزو تھی کہ قرآن کریم بارے نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہنوں میں جو شکوک و شبہات ہیں وہ دور ہو جائیں اور یہ نوجوان قرآنی تعلیمات سے آراستہ ہو کر اسلامی انقلاب کا داعی بن جائیں۔ نئی نسل کے ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو قریب لانے کی خاطر آپ ان کے مذاق اور ذوق کے مطابق بات کرتے تھے جن میں اس قسم کی غلطیاں ہو جاتی تھیں جو آپ کی کتابوں اور تفاسیر میں موجود ہیں۔ اب بہتر یہ ہے کہ ان کی اچھی باتوں کو قبول کیا جائے اور قابل اعتراض باتوں کو رد کیا جائے۔

تفہیم القرآن :۔ زیر نظر کتاب میں حضرت مولانا گوہر رحمٰن صاحب کے حوالے سے

تفہیم القرآن کا ذکر بھی آیا ہے اِس لئے مناسب ہے کہ تفہیم القرآن اور صاحب تفہیم القرآن کا تعارف کیا جائے۔

صاحب تفہیم القرآن ولادت اور تعلیم

صاحب تفہیم القرآن حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا نام ابوالاعلیٰ ہے۔ آپ سادات کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے آباء و اجداد میں ایک بزرگ، سیدالمشائخ قطب الدین مودودی چشتیؒ تھے اُن کی نسبت سے آپ کے خاندان کو مودودی کہا جاتا ہے۔ سیدالمشائخ کی اولاد افغانستان میں بھی آباد ہیں جن کا خاندان مودودی کہلاتا ہے۔ خواجہ قطب الدین مودودی چشتیؒ نے ۵۲۷ھ میں ۹۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اُن کی اولاد میں خواجہ مودود ثانی پہلے بزرگ ہیں جو ہندوستان تشریف لائے تھے۔ حضرت خواجہ مودود ثانی کے پوتے حضرت شاہ خواجگیؒ واپس اپنے آبائی وطن چشت تشریف لے گئے۔ وہاں پر شاہ خراسان کی بیٹی سے ان کا نکاح ہو گیا جن کے بطن سے ۸۶۹ھ میں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ابوالاعلیٰ مودودی رکھا گیا۔ یہی ابوالاعلیٰؒ سکندر لودھی کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے۔ ان کی وفات ۹۳۵ھ میں ہوئی۔ ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی اولاد میں خواجہ کرم الٰہیؒ پہلا شخص تھے جن کا تعلق دہلی سے قائم ہوا کیونکہ اُن کی شادی ایک شیخ طریقت شاہ محمد امانؒ کی بیٹی سے ہو گئی تھی۔ خواجہ کرم الٰہیؒ کی تیسری پشت میں مولانا مودودیؒ کے والد مولوی سید احمد حسنؒ تھے جن کی ولادت دہلی میں ہوئی تھی۔ مولانا مودودیؒ پیدا ہوئے تو آپ کا نام دادا کے نام پر ابوالاعلیٰ رکھا گیا۔ مولانا مودودیؒ نے ابتدائی تعلیم حسب روایت گھر پر حاصل کرنے کے بعد اورنگ آباد کے مدرسہ فوقانیہ مشرقیہ میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۶ء میں تیرہ سال کی عمر میں مولوی کا امتحان پاس کیا ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۳ جنوری ۱۹۲۶ء کو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ۲۲ سال کی عمر میں حضرت مولانا محمد شریف اللہ صاحب مدرس مدرسہ دارالعلوم فتح پوری دہلی سے علوم عقلیہ و ادبیہ، بلاغت اور علوم اصلیہ و فرعیہ میں سند فراغت حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں آپ نے حضرت مولانا اشفاق الرحمٰن

کاندھلوی مدرس مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی سے حدیث، فقہ اور ادب میں سند فراغت حاصل کی تھی۔ ۱۹۲۸ء میں آپ نے مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ سے مؤطا امام مالک بھی پڑھی۔ مذکورہ تمام اساتذہ نے آپ کو احادیث اور دوسرے دینی علوم دوسروں کو پڑھانے کی اجازت اسناد کی شکل میں دی ہے جن کے فوٹوسٹیٹ و ثائق مودودیؒ ص ۴۱ پر ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

(تفصیل، علوم القرآن ج ۲ ص ۶۲۱ تا ۶۴۲ میں دیکھئے)

تفہیم القرآن:۔ مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے سینکڑوں بلند پایہ تحقیقی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں سے ایک تفسیر تفہیم القرآن ہے۔ یہ تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولاناؒ کی ساری کتابوں کو بڑی پذیرائی حاصل ہوئی ہے لیکن جو پذیرائی تفہیم القرآن کو حاصل ہوئی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ دنیا بھر کے بیشتر اسلامی لائبریریوں میں آپ اس کو دیکھ سکتے ہیں دنیا میں یہ واحد تفسیر ہے جس کے متعدد زبانوں تراجم کئے گئے ہیں انگریزی زبان میں چودھری محمد اکبر، سواحیلی زبان میں شیخ عبداللہ صالح الفارسی، ہندی میں محمد فاروق خان رام پوری بنگالی میں مولانا عبدالرحیم اور سندھی میں مولانا جان محمد بھٹو صاحب نے اس کے تراجم کئے ہیں۔ عربی زبان میں بھی اس کے کچھ حصے شائع ہوئے ہیں۔ مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ میں تفسیر کا استاذ شیخ عبدالقادر لکھتے ہیں "ہم مسلمانان عرب نے سیّد مودودی سے بہت استفادہ کیا ہے۔ میں مدینہ یونیورسٹی میں تفسیر کا استاد ہوں اور سیّد صاحب سے استفادہ کرنے والوں میں شامل ہوں۔ سورۂ نور کی تفسیر جو عربی زبان میں شائع ہو چکی ہے میں نے پڑھی ہے اور میں یہ کہوں گا کہ پڑھنے والوں کے لئے اس میں بڑے قیمتی نکات ہیں..... میں صاحبِ تفہیم القرآن الاستاذ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی صحت کاملہ وعاجلہ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت اور خدمت کو شرف قبول بخشے (ماخوذ از آئین تفہیم القرآن نمبر جلد ۱۱ شمارہ ۷۔ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۲)

پشتو زبان میں پہلا ترجمہ مولانا راحت گل صاحب اکوڑہ خٹک نے کیا۔ ممتاز عالم دین حافظ محمد ادریس آف طورو نے کشاف القرآن کے نام سے تفسیر لکھی ہے جس کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے تفسیر لکھتے وقت بیان القرآن اور تفہیم القرآن سے استفادہ کیا ہے۔ بعد میں محترم مولانا سلطان محمود صاحب، صاحب حق صاحب آف سکندری کورونہ، مردان نے وضاحت القرآن کے نام سے تفسیر لکھی جس میں تفہیم القرآن کے بیشتر حوالے دیئے گئے ہیں۔ جہاد افغانستان کے دوران جب بعض مجاہدین نے یہاں آکر اردو زبان سیکھ لی اور مولانا مودودیؒ کی کتابیں پڑھیں تو انہوں نے ان کتابوں کو افغانی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس کی تاکہ افغان عوام ان سے استفادہ کر سکیں۔ تفہیم القرآن کا ترجمہ کرنے کی ذمہ داری ممتاز افغان عالم دین حضرت مولانا قیام الدین کشاف نے قبول کرلی اور چند ہی سالوں کے اندر یہ فریضہ سرانجام دیا۔ افغانی زبان میں مترجم اس تفسیر کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ یہ پشتو ادب کا شاہکار بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک ترجمہ ہمارے دوست محترم پروفیسر شفیق الرحمٰن صاحب نے کیا ہے جو بڑا عام فہم ہے۔ عالم اسلام کے بڑے بڑے مشاہیر علماء دین نے تفہیم القرآن کی افادیت پر تبصرے لکھے ہیں اور مسلمانوں، خصوصاً جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اس کے پڑھنے کی تاکید کی ہے۔

میرا عقیدہ

میرا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات اور صفات میں مخلوق میں سے کسی کو شریک کرنا شرک ہے۔ جو کوئی کہتا ہے کہ نبی یا ولی دور سے میری آواز اسباب و آلات کے بغیر سُن سکتا ہے یا مجھے دیکھ سکتا ہے تو یہ شرک کا عقیدہ ہے جو کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص دلوں کا حال جانتا ہے، اور اس کے حکم سے کسی کو نفع یا نقصان پہنچتا ہے تو یہ شرک کا عقیدہ ہے۔ قبروں کا طواف کرنا، اُن پر غلاف چڑھانا اور غیر اللہ کے لئے نذر ماننا شرک ہے۔ حکم چونکہ اللہ کے لئے ہے اس لئے اللہ کے قانون کے مقابلہ میں غیر اللہ کا قانون تسلیم کرنا بھی شرک فی الحکم کے زمرہ میں آتا ہے۔ بدقسمتی سے توحید کا دعویٰ کرنے والے بعض بے نصیب اِسلامی حکومت کے لئے کوشش کو سیاست کا نام دے کر اس کی مخالفت کرتے ہیں اور دنیادار پارٹیوں سے مل کر دنیاوی سیاست میں کھل کر حصہ لیتے ہیں یہ عقائد جو میں نے بیان کئے۔ تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے علماء کے ہیں اور یہی عقیدہ میرا بھی ہے۔ میرے نزدیک بہترین وسیلہ اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے جو احادیث سے ثابت ہے۔ ذواتِ فاضلہ کے ساتھ وسیلہ اس صورت میں زیادہ صحیح ہے جس کا ذکر حضرت مولانا حسین علیؒ نے کیا ہے اور وہ یہ کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرتا ہوں اور اس محبت کو وسیلہ بناتا ہوں۔ تاہم مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا

رشید احمد گنگوہیؒ اور موجودہ دور میں مولانا محمد اللہ جان صاحب جس طریقہ سے وسیلہ کے قائل ہیں، اُن کے ساتھ اِس مسئلہ میں اختلاف کے باوجود ان کا احترام اپنے اوپر واجب سمجھتا ہوں۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے اور دیوبند کے بیشتر علماء کرام وسیلہ کے حق میں ہیں تاہم احترام کیا جائے تو اختلاف میں کوئی مضائقہ نہیں۔ سماع موتی میں میرا عقیدہ وہی ہے جو شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتیؒ، مولانا شاہ منصور باباجیؒ اور حضرت شیخ القرآن آف پنج پیر کا ہے تاہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سماع موتی کے حق میں ہے اور بعض دوسرے صحابہ کرامؓ بھی اس لئے فریقین کا احترام لازمی ہے۔

میری درخواست ہے کہ اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اپنائی جائے تمام علماء کرام کا احترام کیا جائے اور اسلام کے حقیقی دشمنوں کو پہچان کر اُن کی سازشوں کا متحد ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

۱۷ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

کتابت:۔ ہمایون شاہین (یار حسین)

عماد پریس نزد کچہری چوک مردان